دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

چھبیسویں ۲۶ جلد

از

جولائی سنہ ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۰ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد بست و ششم جولائی ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

(جلد بست و ششم ۲۶ جولائی ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۰ء)

جلد بست و ششم (۲۶)	ماہ صفر ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۰ء	عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

یہ سال مسلمان والیانِ ریاست کے لئے خاص طور سے اندوہناک ثابت ہوا، مرحومہ سرکارِ عالیہ بھوپال کے سانحۂ وفات کے بعد اُن کے پوتے نواب حبیب اللہ خان پھر رامپور کی اسلامی ریاست کے مسند نشین، پھر نواب صاحب والیٔ ٹونک کی وفات کے سانحے یکے بعد دیگرے پیش آئے، اور دنیا کے انقلابات کے نئے نئے نقشے آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے، کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو مغفرت اور ان کے جانشینوں کو توفیق حسن عمل عطا فرمائے،

پچھلے مہینے کے علمی سوانح میں دو فاضلوں کی وفات کا سانحہ خاص طور سے اہم ہے، ان میں سے ایک مغرب نژاد اور دوسرا مشرقی تھا، پہلے کو ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمان پروفیسر آرنلڈ کے نام سے جانتے ہیں، یہ فلسفہ کے عالم ہونے کے ساتھ عربی اور اسلامیات کے بھی ماہر تھے، یہ ہندوستان آ کر پہلے اسلامیہ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور پھر بعد کو محمڈن کالج علی گڈھ میں پروفیسر ہو کر آئے اور یہیں ان کی شہرت کا ستارہ چمکا، ان کی خاص خصوصیت علم کے ساتھ ان کا حسنِ اخلاق تھا، وہ مشرقی علماء کے ساتھ ہمیشہ گھل مل کر رہتے، اور لاہور ہو یا علی گڈھ ہر جگہ اُنھوں نے اپنے رفیق علماء سے کچھ سیکھا اور اُن کو کچھ سکھایا، اور خصوصیت کے ساتھ لاہور میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم اور علی گڈھ میں مولانا شبلی

نعمانی مرحوم کے ساتھ ان کے دوستانہ اور علمی تعلقات رہے اور ان واقعات کا نتیجہ لاہور میں ان کی تالیف السواء السبیل فی معرفۃ المعرب والدخیل، اور علی گڈھ میں ان کی مشہور تصنیف دعوتِ اسلام ہے،

مولانا شبلی مرحوم اور ان میں تعلقات ٹھیک استاد اور شاگرد کے تھے، مگر یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ان میں استاد کون اور شاگرد کون تھا، مولانا نے ان سے کچھ فرنچ سیکھی تھی، اور اُنھوں نے ان سے عربی، مولانا مرحوم کے سفر ٹرکی میں سمرنا تک وہی رفیقِ سفر تھے، مولانا نے اپنے سفرنامہ میں اس کا حال لکھا ہے، سفر روم والے فارسی قصیدہ میں کہتے ہیں،

آرنلڈ آنکہ رفیق است وہم استاد مرا

استاد کے استاد سے سنہ ۱۹۲۰ء میں لندن میں میری ملاقات ہوئی تھی، وہ اس وقت انڈیا آفس سے متعلق تھے، مولانا مرحوم کے تعلق کے سبب سے مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے، اکثر وہ میرے پاس اور میں اُن کے پاس انڈیا آفس میں آیا جایا کئے اور گھنٹوں وہ اپنی پرانی صحبتوں کا تذکرہ لطف و مسرت کے ساتھ کیا کرتے تھے، میں نے دیکھا، کہ علی گڈھ کی صحبتوں کے پرانے نقوش ان کی لوحِ دل پر ہنوز تازہ تھے،

اسی زمانہ میں وہ انڈیا آفس سے نکل کر اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن میں چلے آئے تھے، اور اس تعلق سے ہندوستان کے مسلمان طلبہ جو اس اسکول میں جاتے تھے ان کے ذریعہ سے نامہ و پیام بھی باہم قایم تھا، ابھی ان کے ایک شاگرد کا خط آیا تھا کہ وہ دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) کا دوسرا اڈیشن کثیر اضافوں کے ساتھ چھپوانا چاہتے ہیں، ہندوستان کے متعلق تم سے کیا مدد مل سکتی ہے، میں نے مذاقاً جواب دیا تھا کہ جب ڈاکٹر صاحب خود لکھیں گے تو اس شرط کے ساتھ میں مدد دونگا کہ طبع اول کے دیباچہ میں جہاں مولانا شبلی مرحوم کی امداد کا شکریہ ہے، وہاں

طبع ثانی کے دیباچہ کے حاشیہ پر میرا ذکرِ خیر بھی کر دیا جائے، کہ مین بھی اس بزم عالی کے حاشیہ نشینون مین شامل
ہو سکون، مگر افسوس ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند،

ہندوستان سے جا کر اُن کا سب سے بڑا علمی کام تو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تالیف مین شرکت ہے، کہ [illegible]
متعدد اڈیٹرون مین سے ایک وہ بھی تھے، اور سب سے آخری کام مسلمانون کہ فن مصوری کی تاریخ ہے، ابھی کچھ ہی [illegible]
ہوئے تھے کہ وہ مصر کی قومی یونیورسٹی مین لکچر دینے آئے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ اس مین ہندوستان کی
اسلامی تاریخ اور سلاطین ہند کے تمدنی کارنامون کی پوری تفصیل کرین گے، معلوم نہین یہ کارنامہ کہان تک [illegible]

آرنلڈ علی گڈھ کالج مین دس برس رہے، اور اس طرح رہے کہ اس وقت ان کو کامل مسلمان نہ سہی تو نیم
ضرور ہی ماننا پڑیگا، مسلمانون کی صورت، مسلمانون کی وضع، مسلمانون کا تمدن، مسلمانون کے عالمون کی صحبت [illegible]
مسلمان نما تھی، اور کہا جا سکتا ہے کہ آرنلڈ نے اپنے زمانہ کے کالج مین وہ روح پیدا کر دی تھی، کہ اس کی [illegible]
کالج کی تاریخ مین نہین مل سکتی، فروری ۱۸۹۸ء مین جب انھون نے دس برس کے بعد کالج چھوڑا تھا، اس وقت
الوداعی پارٹی کے موقع پر مولانا شبلی مرحوم نے یہ دو شعر موزون کر کے پڑھے تھے،

آرنلڈ آنکہ درین شہر و دیار آمد و رفت — دلبرے بود کہ ما را بہ کنار آمد و رفت
آمد از ان گونہ بکالج کہ بہ گلزار نسیم — رفت ز انسان کہ تو گوئی کہ بہار آمد و رفت

یہی دو شعر اس وقت اُن کی دائمی وداع کے موقع پر پڑھے جا سکتے ہین،

وہ مشرقی فاضل جس کی موت پر ہمکو ماتم کرنا ہے، وہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری،
جج پٹیالہ اور سیرت کی مشہور کتاب رحمۃ للعلمین کے مصنف ہین، وہ علم و عمل، زہد و کمال، اور فضل و

دونون کے جامع تھے، روشن دل اور روشن دماغ دونون تھے، اُن کے جدید و قدیم دونون خیالات
اعتدال پر تھے، عربی زبان اور علومِ دین کے مبصر عالم تھے، توراۃ انجیل پر فاضلانہ و ناقدانہ نگاہ رکھتے
غیر مسلمون سے مناظرہ کے شائق تھے، مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار
کے ساتھ تھا، مسلکاً اہل حدیث تھے، مگر اماموں اور مجتہدون کی دل سے عزت اور ان کی محنتون اور
جانفشانیون کی پوری قدر کرتے تھے،

وہ ندوۃ العلماء کے دیرینہ رکن تھے اور اسی وساطت سے ان سے تعارف حاصل ہوا، اور
تعارف نے باہم انس و مودت کی صورت پیدا کی، جب مل جاتے، دیر تک ہم ذوقی کا لطف قائم رہتا،
سیرت، جدید مناظرات و کلام اور محاسن اسلام کے مختلف پہلودن پر گفتگو رہتی، اور تھوڑی دیر کے لئے
ہر چیز فراموش ہو جاتی، چند سال ہوئے کہ دار المصنفین بھی ان کے فیضِ قدوم سے منور ہوا تھا،

ان کی مستقل تصنیفات مین رحمۃ للعلمین، الجمال والکمال (تفسیر سورۂ یوسف) اور سفرنامۂ حجاز
یادگار ہین، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے بیسیون رسائل ان کے قلم سے نکلے، مگر سب سے زیادہ رحمۃ للعلمین
نے قبولیت حاصل کی، اسلامی مدرسون مین داخل ہوئی، کورسون مین شامل ہوئی، لوگون نے ذوق و شوق
سے پڑھا، خدا رحمۃ للعلمین کے مصنف کو اپنی رحمت عام سے نوازے،

سات آٹھ برس ہوے کہ وہ ایک دفعہ حج کر چکے تھے، واپس آ کر انھون نے اپنا سفرنامہ لکھا
دوسری دفعہ امسال حج کو گئے تھے، مکہ معظمہ سے ایک دوست کا خط آیا تھا کہ قاضی سلیمان صاحب
امسال حج کو تشریف لائے ہین، اور اپنے "ہمنام" کا ذکر خیر بڑی محبت سے کرتے ہین، ابھی اس بشارت

کی خوشی پوری بھی نہین ہونے پائی تھی کہ صابر منزل قرول باغ دہلی سے ایک خط نے آکر اس کا خاتمہ کر دیا، اس مین لکھا تھا کہ قاضی صاحب نے بیمار ہو کر واپسی مین جہاز پر دم توڑا، آہ! کہ اس بحرِ ہستی مین خدا جانے کتنے جہاز ڈوبے، اور ڈوبینگے،

درین بحر، کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

———

اس مہینہ اردو صحافت کو اپنے ایک دیرینہ اہلِ قلم کی خدمات سے ہمیشہ کے لیے محرومی ہوئی، سیّد جالب دہلوی، جو نہ صرف بحیثیت ایک کہنہ مشق اخبار نویس کے قابلِ ذکر ہین، بلکہ مرحوم علم کے ایک سچے طالب اور عاشق تھے، اُن کی کہنہ مشقی، اخباری وسعتِ اطلاع عام معلومات کی آگاہی، تاریخی ذوق کتب نادرہ سے سچا عشق، اُن کی زندگی کی خصوصیات تھین، ہر ہفتہ نخاس جا کر معمولی دوکانون پر بیٹھکر قلمی کتابون کے منتشر و پراگندہ اوراق چنکر بقیمت اٹھا لاتے تھے، گھر لا کر انکی خدمت کرتے، ترک دیکھتے، ہندسے جوڑتے، عبارتین ملاتے، اور اوراق کو جوڑ کر کتاب کو درست کرتے، مرحوم نے کبھی فارغ البالی کی زندگی نہین بسر کی، مگر اسی عالم مین انھون نے لاہور، دہلی اور لکھنؤ کے بازارون سے سات آٹھ ہزار کتابون کا ذخیرہ فراہم کیا، جنمین بعض بعض بہت نادر کتابین تھین، ان کا ارادہ تھا کہ ان کتابون کے لیے وہ کوئی خاص مکان بنوائین، یا کسی قومی درسگاہ کے حوالہ کر دین، خدا جانے مرحوم کی وفات کے بعد ان "پس ماندون" کا کیا حشر ہو، مرحوم سا کہنہ مشق، اخبار نویس، اور اخبار نویسی کے ایک ایک فن کا واقف کار شاید ہی مسلمانون مین کوئی دوسرا ہو، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے،

———

سید جالب مرحوم جیسے اخبار کے بعد غالباً سب سے پہلے ہمدرد مین ظاہر ہوئے، ہمدرد کے بند ہونے پر لکھنؤ گز

ہمدم کی ادارت کا فرض انجام دیا، اور ابھی دو سال ہوئے کہ ہمدم سے علیحدگی کی صورت مین روزانہ **ہمت** جاری کیا، سید جالب کا وجود اگر لکھنؤ مین نہ ہوتا تو بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اخباری حیثیت سے لکھنؤ کا کوئی وزن نہ ہوتا، سید جالب مرحوم کا قلم نہایت محتاط، مرنجِ و مرنجان، اور طرزِ ادا نہایت صاف، سہل اور روان تھا، ان کے عام معلومات اس قدر وسیع تھے کہ جس مسئلہ پر کچھ لکھتے تھے اُس کے ہر پہلو کو نمایان کر دیتے تھے، اُن کی خاص بات یہ تھی کہ ۱۹۱۰ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک ہندوستان کے سیاسیات مین لحظہ بلحظہ طوفانی انقلابات پیدا ہوتے رہے، نشیب و فراز، جوش و سکون ہر ایک دور آیا اور گذر گیا، مگر اپنے محتاطانہ اظہارِ خیال اور متین طریقۂ تعبیر کی وجہ سے وہ ہر ایک طوفان سے اپنی کشتی ہمیشہ سلامت لے گیے، **ہمت** گو اب بھی اسی طرح نکل رہا ہے، مگر اس صوبہ کے لوگون کا فرض ہے کہ وہ اپنی قدر شناسی کا ثبوت دین، مالی سرمایہ کے بغیر یہ کام چل نہین سکتا، صرف ہمت سے ہمت کب تک نکلتا رہیگا،

———

شاید مشرق کے حاشیۂ خیال مین بھی یہ نہین آسکتا کہ علم کو بھی سیاست مین استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر مغرب کے طلسم زار مین یہ سب ممکن ہے، اقوام کی باہمی تقسیم ایرین، تورانین، اور سیمٹنگ علمی تقسیم ہے یا سیاسی؟ اہم سوال ہے مگر یہ یاد رہے کہ انگلستان کے اہلِ علم و فضل مین جنکو کمال ذوقِ علم کے سبب سے سیاست سے کچھ بھی واسطہ نہین انکو زیادہ توجہ ایرین تحقیق کی طرف کیون ہے؟ کیا اس لیے کہ اس مین ہندوستان واقع ہے؟ انگریز اگر اقوام انسانی کی اس شاخ کو "اینگلو ایرین" کہین، تو جرمن "انڈو جرمن"، انگلستان و جرمنی کی اس علمی کشمکش کا راز اب جا کر کھلا ہے،

———

انگلستان مین ایک صاحب کپتان جے، ای، الم ELLAM ہین انھون نے سوراج کے نام سے انگریزی مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین ہندوستان کے دعوائے خود مختاری کی تنقید کیگئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ہندوستان انگریزون کے زیرِ سایہ رہ کر مزید ترقی اور امن و امان حاصل کریگا، یا خود مختار ہو کر اپنے گذشتہ "بربری عہد" کی طرف لوٹ جائیگا، ہمارے ہندو اور مسلمان مورخین اپنی گذشتہ تاریخ کی جس پر ان کو بجا ناز ہے، یہ تعریف سن لین،

لیکن اس سے زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ انگریزون کے قبضۂ ہندوستان کے جواز کی جو دلیل اسمین دیگئی ہے وہ تلوار کی قوت نہین بلکہ یہ ہے کہ ہم (انگریز) بھی آرین ہین، اور ہندوؤن کی طرح اس آریہ ورت پر قبضہ رکھنے کے حقدار ہین

ہمارے پاس انجمن استقلال، واقع ایدل اورال ملک روس سے عربی زبان مین ٹائپ مین چھپا ہوا، آٹھ صفحون کا ایک رسالہ آیا ہے جس کا عنوان "بنام دنیاے اسلام" ہے، اسمین روسی مسلمانون کے کچھ حالات لکھکر بالشویکون کے وہ دردناک مظالم لکھے ہین، جو وہ اپنی مملکت مین اسلام اور مسلمانون کے ساتھ کر رہے ہین، اس مین لکھا ہے کہ اس وقت کریمیا، کوہ قاف، ترکستان اور والگا او رال مین تین کروڑ مسلمان آباد ہین، جو ملک کے اصلی باشندے ہین، لیکن وہ پہلے روس کے شہنشاہانہ مظالم کے شکار تھے، اور اب روس کے بالشویکون کے مظالم مین گرفتار ہین،

علماے دین ہر وطنی حق سے محروم رکھے گیے ہین، اور اس علم دین کے جرم کی سزا مین وہ ۴۰، ۵۰ فیصدی خاص ٹیکس ادا کرنے پر مجبور ہین، پچیس ہزار یہان جامع مسجدین تھین، جنمین سے اب اکثر ویران کر دی گئی ہین، ان کے بیش قیمت قالین اور سامان ضبط کر لیے گیے ہین، جامع مسجدون پر اداے نماز کا ٹیکس الگ لگایا گیا، جو جامع مسجدین یہ ٹیکس نہ ادا کر سکین، حکومت کو حق ہوگا کہ ان پر قبضہ کر کے ان کو کلب یا تھیٹر یا ہوٹل بنا دین، یہان تک کہ ۱۹۲۹؁ مین ایدل اورال یعنی قازان، استراخان، اوفا، اور اورنبرگ مین حکومت کی مدد سے کشوری اور لشکری افسرون کی ایک لادینی انجمن اس غرض سے قائم کیگئی ہے کہ جامع مسجدون کو بند کر دیا جاے،

صرف ایک باشقرستان مین جو ایدل اورال کا ایک حصہ ہے اخیر سالون مین جو ائمہ اپنا دینی منصب چھوڑنے پر مجبور ہوے ان کی تعداد (۵۰۲) ہے اور موذنون کی (۳۶۴) اور ایکسو پانچ ۱۰۵ جامع مسجدین بند کیگئین اور ان کے علاوہ سینکڑون مسجدین، کلب، بالشویک اسکول، اور یتیم خانے بنا دیے گیے، اور تاتارستان مین یہ تعداد اور بھی زیادہ ہے، وغیرہ،

نہین معلوم ان واقعات مین صداقت کہان تک ہے؟ اگر یہ باتین بالشویکون کے خلاف "پروپگنڈے" کی حیثیت نہین رکھتین تو ان مین سے ہر سانحہ پر جسقدر ماتم کیا جائے بجا ہے، اور جس قدر خونابہ باری کی جاے وہ کم ہے، اللّٰھم ارحم امۃ محمد صلعم،

اسوقت ہندوستان ہو یا بیرون ہندوستان ہر جگہ ضعیف قومون کو یہ نظر آتا ہے کہ قوت متسلطہ سے نجات ملک کے تمام باشندون کے اتحاد کے بغیر ممکن نہین پھر کم فہمی و نادانی سے یہ بھی اُن کو نظر آتا ہے کہ مذہبی عقیدتمندی اور دینی اخوت ملکی اتحاد کے منافی ہے، اس بنا پر مذہب و سیاست ساتھ ساتھ نہین نبھ سکتی، ملکی آزادی چونکہ نقد سودا ہے اور نقد را بہ نسیہ گذاشتن کار خردمندان نیست، اسلیے ملکی آزادی کیلیے مذہب سے دست بردار ہونا ان عقلمندون کو ضروری نظر آتا ہے

جس طرح کبھی معقول و منقول کی تطبیق مذہب کی حفاظت کیلئے ضروری تھی، آج بعینہ اسی طرح مذہب و سیاست کی تطبیق مذہب کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، آج مسلمانون مین چند ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو مذہبی وابستگی و شیفتگی کے ساتھ ملک و وطن کی خدمت کماحقہ انجام دے سکین، اور نادانون کو دکھا دین کہ اسلام مین دین و دنیا، اور سلطنت و تقوی، اور سیاست و خداترسی کا اجتماع جس طرح پہلے ممکن تھا، اب بھی ممکن ہے،

مقالات

پھر بحثِ سنت

کچھ اور اختراعات و الزامات

(۱)

دوستون کو یاد ہوگا کہ اگست ۲۹ء کے معارف مین ایک صاحب کے جواب مین "سنت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا تھا جسمین مدعی مذکور کے اس خیال کی تردید کی گئی تھی کہ سنت اور زبانی روایات یا حدیث ایک چیز ہین، نیز اس کے اس اختراع کی غلطی ظاہر کی گئی تھی، کہ مسلمانون کا لفظ "سنت" یہودیون کے لفظ "سناۃ" سے ماخوذ ہے جو یہودیون کے ان زبانی روایات کے مجموعہ کا نام ہے جو سنہ عیسوی سے پس و پیش زمانہ مین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد مرتب ہوا تھا،

اس مضمون سنت کے چھپنے کے بعد مدعی مذکور نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے سوال و جواب کیا، اور اس کے بعد ایک طویل مضمون اپنے مدعا کے اثبات اور میری تردید مین چھپوایا، جہان تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے اس کے جواب مین انشاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی، لیکن موصوف کے مضمون کے لب و لہجہ اور طرز و انداز کے جواب کی توقع کم از کم معارف مین نہین رکھنی چاہیے،

مجھے یہ ظاہر کرنے مین خوشی ہے کہ معارف کے اس مضمون "سنت" کو اللہ تعالےٰ نے توقع سے زیادہ کامیابی بخشی، موافقین کے علاوہ بعض مذبذب دوستون کے شکوک بھی اس سے دور ہوئے،

مگر افسوس ہے، کہ اصل مخاطب کو اس سے تشفی نہین ہوئی، بلکہ اپنی غلطی یا غلط فہمی پر ان کا اصرار اور بڑھ گیا، موصوف کو میرے انگریزی نہ جاننے پر تاسف ہے، یہ تاسف مجھے خود بھی ہے، مگر انکی تسلی کے لئے بطور اظہار واقعہ یہ امر ان پر ظاہر کر دینا ہے کہ انکی آرزو کے مطابق مین کم از کم اتنی انگریزی جانتا ہون کہ انسائیکلوپیڈیا کے تاریخی و مذہبی مضامین پڑھ اور سمجھ سکون، انھین اسکا اطمینان رکھنا چاہئے، اور یہ بات انکو میری اس تصنیف (ارض القرآن) کو پڑھکر سمجھ لینی چاہئے تھی جس کی ابھی انھون نے اپنے والا نامہ مورخہ ۳۰ فروری ۱۹۳۰ء مین تعریف و توصیف کی ہے، اور اپنے مضامین مین اس سے سرقہ کرنے کا "بخلوت" اعتراف بجا کیا ہے، اور ناظرین بھی ان کے مضامین "قرآن مجید و آثار قدیمہ" اسلامک ریویو اور اشاعت اسلام مین دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہین،

مضمون زیر بحث مین دو قسم کی بحثین ہین، ایک لفظی، اور دوسری معنوی، دونون بحثون کو علیحدہ کر دینا ہے، تاکہ مسئلہ صاف ہو جائے،

مسناۃ اور سنت، لفظی بحث یہ ہے کہ ہمارے دوست کا دعویٰ ہے کہ یہود اپنی زبانی روایات کو "مسناۃ" اور مسلمان اپنی زبانی روایات کو سنت کہتے ہین، مسلمانون کا یہ عربی لفظ "سنت" یہودیون کے عبرانی لفظ "مسناۃ" سے ماخوذ ہے، دونون بالکل ایک لفظ ہین اور ہم معنی ہین،

مین نے اگست ۱۹۲۹ء کے معارف مین مدعی کی اس تحقیق سے اختلاف کیا، اور ثابت کیا کہ اولاً عبرانی لفظ "مسناۃ" س سے نہین بلکہ ش سے ہے یعنی مشناہ، اور دوم اس کے معنی عبرانی مین دوسرے، دوہرانے اور اعادہ و تکرار کے ہین، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کا اطلاق موسیٰ کی پانچوین کتاب پر ہوتا ہے، جسکو یونانی ڈیٹرونومی کہتے ہین، جس کے معنی دوسرے اور دوسرے قانون کے ہین، اور عبرانی مین اسکو مشنا کہا جاتا ہے اور عربی مین مثناۃ کہتے ہین، اور آج کل تثنیۃ الاشتراع (دوبارہ قانون سازی) کہتے ہین، اور ان سب کا ماخذ عبرانی مین "شنا" اور عربی مین "ثنی"، اور ان دونون کے معنون مین دونون زبانون مین دو، دوم اور دوہرانے کا مفہوم ہے، اور سنت خالص عربی لفظ ہے، جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے ہین، اور اصطلاح

مین اس کے معنی وہ طریق ہے جس پر محمد رسول اللہ صلعم تمام عمر قائم رہے، اس کے معنی زبانی روایات کے نہ لغوی مین نہ اصطلاحی، اس لیے عبرانی مشناہ اور عربی سنت مین کوئی باہم شارکت و مماثلت نہین، اور نہ عربی سنت عبرانی مشناہ سے ماخوذ ہے،

ہمارے مخاطبِ اول نے اس مضمون کو پڑھکر ۵ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو مجھے خط لکھا کہ "تمھاری تحقیق غلط ہے ڈوٹرونومی کے لئے مسنا اصل لفظ ہے، اور مشنا بالکل جداگانہ لفظ ہے" مین "ایک سے زائد یہودی معلمین سے اس لفظ کی تحقیقات کرچکا ہون، اور اسکی تائید انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے بھی مل سکے گی،

"اگر اس کے معنی آپ سنت سے علیحدہ دکھا دین تو مین ہار مان لون"،

مین نے اس کے جواب مین ان کو جو لکھا اس کا مطلب یہ تھا کہ مشنا توراۃ کی پانچوین کتاب پر بھی اطلاق کیا گیا ہی، اور تالمود کے ایک حصہ کا نام بھی ہی، یہ کوئی اہم نقطۂ اختلاف نہین ہے، بلکہ اصل چیز "مشنا" کے معنی ہین، ساتھ ہی مین نے اطلاع دی کہ "مشنا" کے معنی تعلیم اور سکھانے کے بھی ہین، انھون نے اس کے ماننے سے بھی انکار کیا، اور لکھا کہ تمکو تالمود کے معنی سے دھوکا ہوا ہی جس کے معنی واقعۃً تعلیم اور سکھلانے کے ہین، اب اس تازہ مضمون مین ہمارے دوست نے پھر اپنی پرانی تحقیق کو بہت فخر و ناز کے ساتھ دہرایا ہے مگر صرف دہرایا ہی ہے، کوئی دلیل یا حوالہ نہین درج فرمایا ہے،

اب نقطۂ اختلاف دو ہے،

۱۔ کیا توراۃ کی پانچوین کتاب کو بھی عبرانی زبان مین مشنا بولتے ہین،

۲۔ کیا سنت اور مسنا ایک ہین،

مشنا توراۃ | توراۃ کی پانچوین کتاب کو میرے "مشنا" کہنے پر مدعی نے میرا مضحکہ اڑایا ہے، اور فرمایا ہے، کہ "ایک یہودی بچہ بھی اسکو سنکر ہنس دیگا"، مگر مین انھین یقین دلاتا ہون کہ تحقیق کا راستہ مضحکہ سے بمراحل دور ہے، توراۃ کی پانچوین کتاب کا نام "قانون ثانی" اس لئے رکھا گیا ہے کہ قانونِ اول کے بعد دربارہ دوسرے

اس بار حضرت موسیٰ نے اس کو دوبارہ بیان کیا جیسا کہ اس کتاب کے آغاز مین تحریر ہے، اس کا عبرانی نام "الوہی وبران" بھی ہے، مگر بعد کو شاید مصر کے ترجمۂ سبعینی کے وقت سے اس کا نام "مشنا توراہ" مشہور ہوگیا، جس کے معنی "قانونِ دوم" کے ہین اسی لیے یونانی اور اس سے یورپ کی زبانون مین اس کا نام ڈیوٹرونومی، یعنی دوسرا قانون یا یہ معنی ہی پڑا، اور اسی لیے پرانی عربی مین مثناۃ اور نئی عربی مین اس کا نام تثنیۃ الاشتراع ہے، یعنی دوبارہ قانون بنانا، بہرحال ان سب کے معنون مین دو، دوم اور دوہرانے کا مفہوم داخل ہے، جس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہی کہ توراۃ کی اس کتاب کے لیے جس مشنا کا لفظ بولا جاتا ہے وہ ش سے ہے، س یا ث سے نہین، جیسا کہ مدعی کا دعویٰ ہے، کیونکہ دو اور دوم کے لیے جو عبرانی مادہ ہے "وہ شنا ہے"

حوالون کے لیے سب سے پہلے "ڈکشنری آف بائیبل" مرتبہ جیمس ہیسٹنگز وغیرہ) جلد اول صفحہ ۵۹۶ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۰ ملاحظہ فرمائیے، جسمین لکھا ہے کہ "اس کا نام ڈیوٹرونومی عبرانی الفاظ "مشنا توراہ" کا ترجمہ ہے جسکے معنی نسخۂ ثانیہ کے ہین" اس کے بعد انگریزی کی مشہور مستند ڈکشنری ویبسٹر انٹرنیشنل مین لفظ ڈیوٹرونومی DEUTERONOMY دیکھئے، اس مین ہے،

"ڈیوٹرونومی اسکو اس لیے کہتے ہین کہ یہ موسیٰ کے قانون کا دہراؤ (یا اعادہ) ہے"

اب عبرانی لغت مین دیکھ لیجئے، کہ دہرانے اور دوسرے اور دوبارہ کرنے کے لیے لفظ مشنا ہے، مسنا یا متنی یا متنہ نہین ہے، جیسا کہ ہمارے محقق دوست ہم کو باور کرانا چاہتے ہین، جیسا کہ آگے تفصیل معلوم ہوگا۔

میرے مضمون سنت کی اشاعت کے بعد موصوف نے ۵ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو جو خط مجھے لکھا تھا، اس مین ارقام فرماتے ہین،

"متنہ جس کے معنی آپ نے ڈوٹرونومی کے صحیح لیے ہین وہ مشنا سے بالکل جدا لفظ ہے اور اس کا تلفظ مسنا ہے"

اب موصوف اپنے تازہ مضمون مین ڈوٹرونومی کے لیے ہم کو لفظ مثنی دیتے ہین،

کیسے یہ حکم رہے کیسے وہ ارشاد رہے،

اگر آپ کے کہنے سے توراۃ پنجم کے لیے مسنا صحیح مانا جائے، تو تالمود کے لیے بھی تو آپ نے مسنا اور مسناۃ ہی تلفظ پہلے مضمون مین لکھا ہے، اب یہ التباس کیونکر دور ہوگا،

آپ میرے قول کی تکذیب کے لیے توراۃ پنجم اور حصۂ تالمود دونون کے درمیان فرق مسنا ...ط ہے، تنہ یا مثنیٰ کہکر لاکھ پیدا کیجیے، سب محکمۂ تحقیق کے سامنے رد ہو جائیگا، دونون لفظ قرشت والی ش منقوطہ سے ہین س غیر منقوطہ یا ث سے ان مین کوئی لفظ نہین، اور ث کا حرف تو عبرانی مین سرے سے موجود نہین، اسلیے ثنہ یا ثنی تو عبرانی مین ہو ہی نہین سکتا،

اب ہمارے دوست غور فرمائین کہ کس کی تحقیق پر "ایک یہودی بچہ بھی ہنس دیگا؟"

در سفالین کاسۂ رندان بخواری منگرید — کاین حریفان خدمت جام جہان بین کردہ اند

مشنا، مسناۃ اور سنت

بہرحال یہ مسئلہ کہ مشنا تالمود مراد ہے، یا مشنا توراہ، ایک ضمنی بحث ہے، اصل سوال یہ ہے کہ کیا عبرانی "مسناۃ" اور عربی سنت ایک چیز ہے،

اس سلسلہ مین ہم اپنے محقق دوست کی ایک دلچسپ لفظی تحریف کا ذکر مناسب سمجھتے ہین، اصل عبرانی لفظ مشنا (ش منقوطہ) ہے، جیسا کہ میرے ٹوکنے پر اب اس دوسرے مضمون مین انھون نے استعمال کیا ہے، مگر پہلے مضمون مین اس کا عبرانی تلفظ "مسناۃ" بتایا تھا، اور یہ اس غرض سے تاکہ سنت اور مسناۃ مین س ن اور ۃ کا اشتراک ہو جائے اور یہ دعویٰ بآسانی ثابت ہو جائے کہ سنت اور مسناۃ ایک ہین، اور اب جب انھین معلوم ہوا کہ عبرانی کا حرف شناس ان کے سوا کوئی اور بھی ہے، تو مجبوراً اس کے لیے دوسرے مضمون مین مشنا (ش) منقوطہ سے لوے، یا للعجب!

مین نے سنت والے مضمون مین یہ دکھایا تھا اور پھر باعلان دعویٰ کرتا ہون کہ سنت اور مشنا مین کوئی لفظی یا معنوی مناسبت نہین ہے، مشنا کے معنی اگر بقول ان کے زبانی روایات کے ہین، تو سنت کے معنی

عربی مین طریق و روش اور راستے کے ہین، قرآن مین سنت کا لفظ انھین معنون مین بار بار آیا ہے، احادیث مین انھین معنون مین استعمال ہوا ہے، اور لغت اور اشعارِ عرب مین بھی انھین معنون مین یہ لفظ بولا گیا ہے، قرآن پاک مین ہے لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا کیا اس کے یہ معنی ہین کہ تم خدا کی "زبانی روایتون" مین ہرگز تبدیلی نہ پاؤگے یا یہ معنی ہین کہ تم خدا کے طریق اور طرزِ عمل مین کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے؟ احادیث مین ہے من سنّ سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا کیا اس کے معنی یہ ہین کہ کوئی اچھی "زبانی روایت" کریگا تو اس کو اس قسم کی نیکیان ملین گی، یا یہ معنی ہین کہ جو شخص کوئی اچھا اور پسندیدہ راستہ یا طریقہ نکالے گا تو اس کو بھی اس کی نیکیان ملتی رہینگی، مشہور حدیث ہے، النکاح من سنتی، کیا اس کے معنی یہ ہین کہ نکاح میری زبانی روایت ہے، یا یہ معنی ہین کہ نکاح میرا طریقہ ہے، اشعارِ عرب مین ہے،

دان الالی بالطف من آل ھاشم — تآسوا فسنّوا للکرام التآسیا

آل ہاشم مین وہ جو طف مین ہین، انھون نے باہم غمخواری کی، تو غمخواری کو شریفون کا طریقہ بنا دیا

سنّوا کے معنی یہان عملی طریق و روش و طرزِ عمل کے ہین، یا زبانی روایت کے، زبانی روایت کے معنی ہو سکتے بھی ہین؟ بن بھی سکتے ہین؟

یہ تو عربی زبان کی تحقیق ہوئی، اب آیئے عبرانی زبان کی خانہ تلاشی لیجائے کہ آیا "مشنا" کے معنی "زبانی روایات" کے ہین؟ اس بارہ مین مین نے پہلے جو کچھ لکھا تھا اس کو دوہرا دیتا ہون، کہ یہ وہی لفظ ہے، جو عربی مین مثنیٰ، تثنیہ، مثنی وغیرہ کی صورت مین ہے، اور اس کے معنی دہرانے، دوبارہ کرنے، اور دوسرا ہونے کے ہین، مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ اس کے معنی "زبانی روایات" کے ہین، مین سوا اسکے اور کیا کہون

صیاد نئی دلا تو تخیر مکن — چیزیکہ نخواندۂ تو تفسیر مکن

ان کی تشفی کے لیے ان کے حسب مشورہ مین سب سے پہلے یورپ کے علمی صحیفہ کو پیش کرتا ہون، جس پر انکا ایمان شاید تمام دوسرے مشرقی صحیفون سے زیادہ ہو،

انسائیکلو پیڈیا (طبع یازدہم) کے مضمون تالمود کے شروع مین (جلد ۲۶ صفحہ ۳۸۰) مین ہے،

تالمود (عبرانی معنی: سیکھنا سکھانا) مشتق ہے، مشنا پر (عبرانی معنی" (زبانی) دُہرانا"

REPETITION

پھر اسی کتاب کے اسی اڈیشن (یازدہم) کی جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۷، مضمون ہبرو (عبرانی) کے ضمن مین ہے،

مشنا کا نام عبرانی لفظ "شنا" سے مشتق ہے جو آرامی لفظ "تنا" سے مطابق ہے، اور اسی لیے یہ تنا تک کتاب کے لیے موزون ہے جس کے معنی زبانی قانون کے دہرانے یا سیکھانے کے ہین"

ان دونون اقتباسون سے ظاہر ہے کہ اس کے اصلی معنی دہرانے یا سکھانے کے ہین، لفظ زبانی یا زبانی قانون کا اضافہ اگر کسی نے کردیا ہے تو لغت کی حیثیت سے نہین بلکہ صرف وجہ تسمیہ کی مناسبت دکھانے کے لیے خارج سے اضافہ کر دیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ نام اس کا کیون پڑا، اسکی تائید کے لیے مین لغات عبرانی کا حوالہ پیش کرتا ہون،

شنا و شنة — بدل جانا، جدا ہوا، دوبارہ کرنا، دہرانا،

شنیم — دو،

تشنیم — دوبارہ

مشنہ — دوسرا درجہ، دوسرے درجہ کا، دوچند،

مشنا — دوسرا،

(لغات عبرانی، مصنفہ پادری ولیم موپر، پرنسپل ڈونٹی کالج، شائع کردہ پنجاب، ریلیجس بک سوسائٹی، الہ آباد ۱۸۸۶ء، صفحہ ۲۰۴) تنہ کے معنی بھی عبرانی مین دوبارہ کرنا، دوسرا اور پھر کے ہین، یہی لفظ عربی مین، اثنین، ثلثین، ثنہ، تثنیة، مثنی، مُثنّی، اور ثنی ہے، پہلے تمام الفاظ کے معنی دو اور دوسرے کے ہین اور اخیر لفظ کے معنی پھرنے کے ہین، مشنا اور اس کے مصدر شنا کے یہی تمام معنی عبرانی انگریزی ڈکشنری، شائع کردہ ہموال باگسٹر (لندن) صفحہ

۲۰۲ و ۲۰۳ مین ہین، تحقیق کے لیے کتاب مذکور کی طرف رجوع کیجئے،

انگریزی کی مشہور ڈکشنری ویبسٹر انٹرنیشنل ڈکشنری ہے اس مین "مشنا" MISHNA کی نسبت حسب ذیل تحقیق ہے،

"مشنا (عبرانی مشناہ) یعنی تعلیم، زبانی قانون، عبرانی لفظ شنہ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی دہرانے (ری پیٹ) کے ہین، قدیم بائبلیکل عبرانی مین اس کے معنی، سیکھنے، سکھانے کے ہین، یہ یہودیون کے روایتی تعلیمات کو کہتے ہین، جو ربیون کے زیر نظر خاص طور سے تیسری صدی عیسوی مین مرتب ہوئی، تالمود کے ایک حصہ کا نام ہے، جس پر اس کی بنیاد ہے"،

صاف ظاہر ہے کہ "زبانی روایات" اس کے لغوی معنی نہین، اس کے لغوی معنی دہرانے اور اعادہ کرنے اور دوبارہ کرنے اور دوسرے درجہ کے ہین، اس کا اطلاق یہود اپنی زبانی روایات کی کتاب پر اسلیے کرتے ہین کہ وہ گذشتہ قانون کا اعادہ ہے، یا پہلے قانون پر نظر ثانی ہے، یا توراۃ کے مکتوبی قانون کے بعد یہ زبانی روایات کی کتاب دوسرے درجہ پر ہے یا قدیم عبرانی کے مطابق اس کے معنی سیکھنے یا سکھانے کے لیکر اس کی کوئی مناسب وجہ تسمیہ بنائی جاے،

مثناۃ اب میرا کہنا وہی ہے، جو پہلے کہا جا چکا ہے کہ جسکو عبرانی مین مشنا یا مشناۃ کہتے ہین، وہی عربی تلفظ مین مثناۃ ہے، جس کے معنی دو یا دوہرانے کے ہین، اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ عبرانی مشنا جسکا ثانی قانونی کتاب پر اطلاق ہوتا ہے اس کے لیے بھی عربی لفظ "مثناۃ" ہے، اور اس کی جمع "مثانی" ہے، اور خود قرآن پاک نے اس کا کئی مقام پر اپنے اوپر اطلاق کیا ہے،

۱۔ ولقد آتیناک سبعاً من المثانی، — اور ہم نے اے پیغمبر اتم کو "مثانی" مین سے سات دیئے،

۲۔ نزّل احسن الحدیث کتاباً متشابہاً مثانی — اس خدا نے اتارا بہترین کلام ایک کتاب جو باہم موافق اور مثانی ہے،

مُثناۃ کے معنی کتاب کے بھی عربی مین موجود ہین، نیز مشنا تالمود کے لیے وہی لفظ عربی مین مستعمل ہے،

لسان العرب لفظ "مثنیٰ" کے تحت مین حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ بن عاص کی ایک روایت کی شرح مین ہے،

قیل وما المثناۃ قال ما استکتب من غیر کتاب اللہ کانہ جعل ما استکتب من کتاب اللہ مبدأ وھذا المثنیٰ، قال ابو عبیدؓ سألت رجلا من اھل العلم بالکتاب الاول قد عرفھا وقرأھا عن المثناۃ فقال ان الاحبار والرھبان من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ وضعوا کتاباً فیما بینھم علی ما ارادوا من غیر کتاب اللہ فھو المثناۃ

پوچھا گیا کہ مثناۃ کیا ہی، کہا جو خدا کی کتاب کے سوا لکھا گیا، گویا خدا کی جو کتاب لکھی گئی وہ پہلی تھی اور یہ دوسری ہی، ابو عبیدؓ نے کہا کہ مین نے توراۃ کے ایک عالم سے جو مثناۃ سے واقف تھا اور اسکو پڑھ چکا تھا، پوچھا کہ مثناۃ کیا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ یہودی عالمون اور درویشون نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے حسب خواہش خدا کی کتاب کے سوا ایک اور کتاب بنائی تھی، وہی مثناہ ہے

کیا عبرانی مشناۃ بعینہ یہی عربی، مثناۃ نہین ہے؟ اب بھی شک کی گنجایش ہے؟

خاتمہ بہرحال اس سخت گیری کی پالیسی سے ہم اپنے حریف کو دق کرنا نہین چاہتے، بلکہ یہ عرض کرتے ہین کہ خواہ آپ توراۃ کی پانچوین کتاب مراد لیجئے، یا تالمود کی کتاب، دونون کا ماخذ عبرانی لفظ شنا اور شنہ ہے، جس کے معنی بدلنے دہرانے یا دوسرا ہونے، یا دوبارہ ہونے کے ہین یا سیکھنے کے ہین اور سولے اخیر معنی کے الفاظ ثنۃ، ثنی، تثنیہ اور مثنیٰ اس کے مرادف ہین، اور عربی لفظ "سنت" کو جس کے لغوی معنی، راستہ اور طریق کے اور اصطلاحی معنی طریق محمدیؐ کے ہین، اس سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہین، سنت کا مادہ س ن ن یعنی سنن ہی اور شنا یا مثناۃ کا عبرانی مین، ش ن ہ یا الف، اور عربی مین ث ن ی ہے، اس تفصیل کے بعد امید ہی کہ ہمارے دوست اپنی تحقیق پر مزید نظر ثانی فرما کر علم اور اسلام دونون کو اپنا ممنون احسان بنائینگے، ورنہ انکی اس تحقیق کو بقول ان کے "ایک یہودی بچہ بھی سنکر ہنس دیگا"

آخر مین ایک اور بات عرض کردون کہ "مشنا" زبانی روایات کو بھی نہین کہتے، بلکہ اس کتاب کا نام ہے جسمین یہود نے اپنی زبانی روایات کو جمع کیا ہی، اگر گلستان، اخلاقی قصص حکایات کے کسی مجموعہ کا نام ہی تو اس کے یہ

معنی نہین کہ گلستان کے معنی اخلاقی قصص دحکایات کے ہین،

دورانِ تحقیق مین فرماتے ہین کہ

"مولانا کی یہ دلیل اور بھی پرلطف ہی کہ سنت کا لفظ قرآن مین ہی اسلیے یہ عبرانی زبان سے ماخوذ نہین"

مین نے اگر ایسا کہا ہو تو یہ یقیناً غلط، لیکن ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا این جاست مین نے خدمت الامین عرض کیا تھا کہ

"سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہی، اسکے لفظی معنی راستہ کے ہین، لیکن بول چال مین اسکے معنی طریقۂ عمل کے ہین جسپر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے، قرآن پاک مین یہ لفظ اسی معنی مین مستعمل ہے"

ہر صاحب بصیرت میرے استدلال کو سمجھ سکتا ہے کہ عبرانی لفظ مشناۃ (ش) عربی مین مثناۃ (ث) ہے اور جس کے معنی دونون زبانون مین، دوسرے یا دہرانے یا اعادہ کے ہین، اور اس سے الگ "سنت" کا لفظ ہی جسکے معنی راستہ اور طریقِ کار کے ہین، اور عربی مین یہ دونون لفظ الگ الگ مستقل صورتون مین وارد ہین، اور خود قرآن پاک مین ہین،

ولقد آتیناک سبعًا من المثانی — ہم نے تم کو "مثانی" مین سے سات دین،

مثانی جمع ہے، واحد کی صورت وہی مثناۃ ہے اور سنّت الگ ہے،

سنۃ الاوّلین، — پہلون کا راستہ یا طریقہ یا سنت،

اگر مشناۃ اور سنت ایک لفظ ہوتے تو عربی مین مثناۃ اور سنت دو لفظ موجود نہ ہوتے، اور قرآن ان کو دو لفظ دو تلفظون کے ساتھ، دو معنون مین استعمال نہ کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ مثناۃ اور سنت دو الگ الگ مستقل، اور مختلف المعنی لفظ ہین، یہ ہے میرا استدلال جس کی آپ نے غلط تعبیر کی، میرے گذشتہ مضمون پر ایک نظر ڈالنے سے، مضمون نگار کی غلط فہمی واضح ہو سکتی ہے،

ابو العتاہیہ اور اس کی شاعری

از

جناب عبد الباسط صاحب ایم اے، ایل، ایل، بی،

ابو العتاہیہ عرب کے ان مسلمان شعرا مین سے ایک ہے جن کو اپنے وقت کا ملک الشعرار کہنا چاہئے، جو رتبہ ایران مین شیخ سعدیؒ کا فارسی مین ہے، وہی عرب مین ابو العتاہیہ کو عربی شاعری مین دیا جاسکتا ہی، چنانچہ اس کی سادگیٔ الفاظ، سلاست زبان اور فطری طرزِ ادا قابلِ ستایش ہے،

ابو العتاہیہ کے کلام مین سب سے زیادہ قابلِ تعریف یہ امر ہے کہ وہ فلسفہ کے بلند و وسیع خیالات تک کو نہایت سلیس عبارت مین بیان کر دیتا ہے، جو قوافی اور بحور اس نے بالعموم استعمال کی ہین وہ بھی نہایت آسان اور بے حد سیدھی سادھی ہین، اس کے خیالات بھی زیادہ پیچیدہ نہین ہوتے جس کے لئے زیادہ دماغ سوزی کرنا پڑے، جن خیالات کو وہ ظاہر کرتا ہے، ان کے لئے وہ نہایت عمدہ چیدہ اور منتخب الفاظ استعمال کرتا ہے، اور اگر بغور دیکھا جائے تو بھی اس کی شاعرانہ کامیابی اور ہر دلعزیزی کا راز ہے، غالبًا یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ عربی شاعری کا یہ سب سے پہلا اور شاید سب سے آخری شاعر ہے، جس نے سب سے پہلے اس قدر سادہ اور آسان زبان استعمال کی ہے، اور اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ ایک شاعر بغیر ادق اور پیچیدہ زبان لکھے ہوئے بھی شاعری کو نبھا سکتا ہے، اس کے کلام مین متروک الاستعمال ایک لفظ بھی نہین ملتا، اور نہ اس نے محض قافیہ کی پابندی کے لئے کسی جگہ بھی کوئی ناموزون لفظ استعمال کیا ہے، اس کی تمام شاعری پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس کو اپنے شاعرانہ انداز اور زبان پر اس قدر عبور ہے کہ گویا وہ نہایت روانی کے ساتھ برجستہ طور پر محض اشعار مین گفتگو کر رہا ہے، چنانچہ وہ کہا بھی کرتا تھا

کہ اگر وہ چاہے تو محض اشعار مین بھی گفتگو کر سکتا ہے، اس سے اس کے قادر الکلام ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس نے جو فی البدیہہ نظمین لکھی ہین، وہ اس کے معیارِ شاعری کے بالکل مطابق ہین،

ابو العتاہیہ کے تمام دیوان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن امور پر اس کا قلم بالعموم جولانگاہی کرتا تھا، وہ زیادہ تر زہد و اتقا، منظر موت، قناعت، حوادثات زمانہ اور اسی قسم کے دیگر مضامین ہوتے تھے، چنانچہ اکثر مقامات پر اس نے بیان کیا ہے، کہ یہ دنیا محض فانی ہے، اور اس کے بعد ایک اور عالم ہے جس کو جاودانی کہا جا سکتا ہے، اور اس عالم مین انسان کی ذاتی نیکی اور زہد و اتقا ہی کام دے سکتا ہے، جس کے لئے ہر انسان کو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے،

مسٹر نکلسن اس کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ "ابو العتاہیہ ہمیشہ یکسانیت کیساتھ غم و اندوہ کے مناظر بیان کرتا ہے" "انسانی مصائب اور اموات کا سچا خاکہ کھینچ دیتا ہے، وہ خدا سے ڈرانے اور نیکی کرنے کی ہدایت کرتا ہے، تاکہ وہ یہان زادِ آخرت جمع کر لے"، اگرچہ مسٹر نکلسن نے غم و اندوہ کے مضامین لکھنے پر اس کو ملامت کی ہے، لیکن دائرۃ المعارف اسلامیہ مین اس بارہ مین اس کے بالکل خلاف شہادت ملتی ہے،

ادب عربی مین ابو العتاہیہ ہی پہلا و احد فلاسفر شاعر ہے، اور اگرچہ اس کی شاعری فلسفیانہ انداز مین ہے، لیکن وہ سب اسلامی عقائد کی روح روان ہے، اور اس لئے اس کا اثر براہِ راست ایک مسلمان کے دل و دماغ پر ہوتا ہے، ایک مرتبہ کسی نے اس سے یہ دریافت کیا کہ آیا وہ علم العروض سے بھی واقف ہے، اس نے اس کا یہ جواب دیا کہ مین عروض سے بالاتر ہون،

چونکہ اس کو ادق الفاظ، پیچیدہ عبارت اور ناقابلِ فہم خیالات سے شروع ہی سے نفرت ہی، اس لئے اس کا کلام تمام دیگر عربی شعرا سے اپنی سادگی اور سلاستِ زبان کی وجہ سے متقدمین شعرار کے کلام مین ممتاز رہا، چنانچہ وہ اپنی سیدھی سادھی زبان مین نہایت لطیف پیرایہ مین خواہشات

نفسانی اور پرہیزگاری کے متعلق بے حد موثر طور پر ایک جگہ لکھتا ہے:-

اشد الجہاد جہاد الہوی   وما کرم المرء الا التقی

(سب سے زیادہ مشکل جہاد انسان کا اپنے نفس کے ساتھ ہے، اور بغیر پرہیزگاری کے کوئی شخص برگزیدہ نہین ہو سکتا)

یہ شعر اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی سلاست اور راست گوئی مین بہترین شعر کہا جا سکتا ہے،

ابو العتاہیہ مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤن عین تمر مین پیدا ہوا، اس کا پورا نام ابو الاسحاق اسمٰعیل بن قاسم ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا باپ پیشہ کے اعتبار سے کوئی بڑا معزز شخص نہ تھا بلکہ حجام تھا چنانچہ اسی نسبی کمزوری کے متعلق اس نے کسی موقع پر کہا تھا،

الا انما التقوی ہی العز والکرم   وحبک للدنیا ہو الفقر والعدم

ولیس علی عبد تقی نقیصۃ   اذا صحح التقوی وان حاک او حجم

(بجز ورع و پرہیزگاری اور کوئی چیز قابل عزت نہین ہی، اور تمھارے فقر اور ناداری کا سب سے بڑا سبب تمھاری دنیا کی محبت ہے، اور کسی پرہیزگار مین کوئی نقص نہین ہو سکتا اگر پورا پورا متقی ہو، خواہ کپڑا بنے یا حجامت کرے)

ایک اور موقع پر اسی کے متعلق اس نے ایک شعر کہا ہے:-

واذا انا سبت الرجال فما اری   نسبا یقاس بصالح الاعمال

(لوگ اپنے نسب کے متعلق شیخی مارتے ہین، لیکن میرے نزدیک کوئی نسب نیک افعال و اعمال کا مقابلہ نہین کر سکتا)

ابو العتاہیہ کی تربیت شہر کوفہ مین ہوئی اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اور اس کا بھائی

مصر کے چند غلامون کی شرکت مین مٹی کے برتن بنانے کا کام کیا کرتے تھے اور جب کسی نے اس سے اس کے بارے مین کہا کہ تم کمہار ہو تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ میں بحور اور قوافی کا کمہار ہون، اس کے ہمعصرین مین سے کسی نے لکھا ہے، کہ مین نے بچشم خود دیکھا ہے کہ اکثر نوعمر شاعری کے دلدادہ اس زمانہ مین جب کہ وہ برتن بنایا کرتا تھا اسکے پاس آیا کرتے تھے، اور اس کے کلام سے لطف اندوز ہوتے تھے، جو اشعار ان کو پسند آتے تھے وہ وہین اس کے پاس مٹی کے ٹھیکرون پر ان کو لکھ لیا کرتے تھے،

ابو العتاہیہ کے لغوی معنی "غرور یا خبط الحواسی کے باپ" کے ہین، چونکہ اس کو ہمیشہ سے تبختر و تکبر تھا اور وہ اپنی شہرت کا بھی بیحد شائق تھا، اس لئے اس کا لقب بھی ابو العتاہیہ ہی ہوگیا، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ یہ لقب اس کی عادات و فضائل کے اعتبار سے بے حد موزون تھا جسکی وجہ سے، وہ عرب کی ادبی اور شاعرانہ دنیا مین زندہ جاوید ہوگیا،

وہ عربون کی طرح گورے چٹے رنگ کا نہایت وجیہ اور خوبرو شخص تھا، اس کے سر کے گھونگھر والے بال نہایت خوش وضع تھے، بہ حیثیت ایک شاعر کے اس کی جودت طبعی کسی ایک ہی مضمون تک مختص نہ تھی، بلکہ اس کی شاعری کے خوان یغما پر انواع و اقسام کے لذائذ موجود ہوتے تھے، چنانچہ اصمعی جیسا نکتہ چین اور دقیقہ سنج اس کے متعلق کہتا ہے کہ ابو العتاہیہ کی شاعری ایک شاہانہ وسیع صحن کی مانند ہے، جس مین جواہرات، سونا، خاک، مٹی اور کھجور کی گٹھلیان تک ہوتی ہین، اس مثال سے وہ اسکی شاعری مین تنوعات کو ثابت کرنا چاہتا ہے،

جب ابو العتاہیہ کو اپنے متعلق پورے طور پر یقین ہوگیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو شاعری کا جوہر ودیعت کیا ہے، تو وہ اپنے گھر کی گمنامی سے نکل کر اس گوہر ناسفتہ کے قدر دانون کی خدمت مین روانہ ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بغداد علم و ادب کا سرچشمہ تھا، چنانچہ یہ بھی اپنے ہمراہ

موصل کے ایک دوست کو لیکر روانہ ہوا، لیکن دوران سفر مین ہی اس کا دوست اس سے الگ ہوگیا
اور یہ مقام حیرہ مین قیام پذیر ہوگیا، وہان سے اس کی شاعری کی شہرت جابجا پھیلی، اور جب اس کا
چرچا خلیفہ مہدی کے کانون تک پہونچا تو وہ اس کا نادیدہ مشتاق ہوگیا، اور نہایت شوق سے اسکو
اپنے دربار مین طلب کیا، شاعر نے اپنی جودتِ طبع سے خلیفہ کی شان مین نہایت شاندار قصائد سنا کر
شاہانہ عطیات حاصل کئے،

اس کے بعد خلفا کے دربار مین اسی طرح وہ ممتاز رہا، چنانچہ خلیفہ ہادی خلیفہ ہارون الرشید
مامون الرشید اس کی شاعری کی داد اپنی شاہانہ فیاضیون سے برابر دیتے رہے، اور وہ اس کے
بے حد مداح تھے،

اس کی شاعری کی بابت تمام شعرائے عرب باتفاق رائے اس کی تعریف مین رطب اللسان
رہے ہین، چنانچہ ایک مرتبہ ابونواس اور چند دیگر ادیبون مین سے کسی نے ابوالعتاہیہ کی شاعری کے متعلق دریافت
کیا، تو اس نے کہا کہ یہ مختلف حیثیتون سے بہترین شاعر کہا جاسکتا ہے، ابوالعتاہیہ دربار خلیفہ مہدی مین
ایک عرصہ تک خراجِ تحسین وصول کرتا رہا، اسی اثنا مین اتفاق سے اس کو خلیفہ کی ایک چھوکری عتبہ
سے عشق ہوگیا، وہ شاعرانہ جذبات اور اپنی والہانہ طبیعت سے مجبور ہوکر اپنے اشعار مین بھی اس کا نام لکھنے
لگا، اور اس کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے لگا جب اس کا علم خلیفہ کو ہوا تو وہ بہت خفا ہوا، اور بالآخر
اس کو قید کردیا گیا، کچھ عرصہ بعد جب قیدخانہ کی تکالیف نے اس کے دماغ کو عشق کے تمام جراثیم سے
پاک صاف کردیا، تو اس نے پھر دربار خلافت مین اپنی عفو تقصیر چاہی، خلیفہ کو اس کی حالت پر رحم آگیا اور
بالآخر اس کو رہا کردیا گیا،

جب خلیفہ مہدی کے بعد اس کا جانشین خلیفہ ہادی ہوا، تو چونکہ وہ اس کے بھائی ہارون
کے خاص ندیمون مین سے تھا اور اسی بنا پر ہادی اس سے ناراض تھا، اس لئے اس نے یہ مناسب

سمجھا کہ وہ اس کے سامنے ہی نہ آئے اس لئے کچھ عرصہ کے لئے وہ عمداً دربار سے روپوش ہوگیا،
لیکن تھوڑے دن بعد ہی اس نے اس کی شان مین بھی ایک طویل قصیدہ لکھکر بھیجا، جسمین آخر مین یہ
استدعا تھی، کہ مجھے دربار مین حاضری کی اجازت دیدیجائے، چنانچہ اس کو اجازت مل گئی، اور وہ پھر
اسی طرح دربار شاہی مین نہایت عزت واحترام اور راحت وآرام کے ساتھ رہا، جب خلیفہ ہارون الرشید
مسندِ خلافت پر متمکن ہوا تو اس وقت بھی ابوالعتاہیہ نے حسب عادت نہایت عمدہ قصیدہ اسکی شان
مین لکھا، چونکہ ہارون الرشید خود بے حد علم دوست شخص تھا، اس لئے اس نے اسکو اپنا مقرب خاص
کرلیا، اور اکثر ومیشتر اس کو اپنے بیش بہا انعامات واکرامات سے نوازتا رہا، بلکہ بعض مرتبہ پچاس پچاس
ہزار درہم نقد سے بھی اس کو سرفراز کیا، اس کو اکثر اوقات خلیفۂ وقت کے ہمراہ سفر مین جانے کا بھی
شرف حاصل ہوتا تھا، اور وہ دوران سفر مین برابر خلیفہ کو اپنے فطری شاعرانہ ذوق سے محظوظ کرتا
تھا، ایک طرف خلیفہ ہارون الرشید کا شاہانہ دربار وزرق وبرق و احتشام اور دوسری طرف اسکی شاعرانہ
و والہانہ طبیعت ان دونون متضاد چیزون کا ایک مرتبہ یہ اثر ہوا کہ شاعر کو اس زندگی سے کچھ
تنفر سا پیدا ہوگیا،

ابوالعتاہیہ کے بعض ہمعصر اس کو لامذہب اور ملحد ہونے کا الزام دیتے ہین، لیکن فی الحقیقت
یہ محض اس پر ایک صریح بہتان ہے، جس کی بظاہر کوئی اصلیت نہین معلوم ہوتی، یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ وہ اپنے عقائد مین بالکل آزاد تھا اور کسی مذہب کا پیرو نہ تھا، بعض کا خیال ہے کہ زندیق تھا، یہ بھی
اعتراض ہے کہ اگرچہ اس کے کلام مین موت کا ذکر تو جابجا ملتا ہے، لیکن قیامت کو کہین نہین بیان کیا
جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ یوم آخرت کا قایل نہ تھا، لیکن اگر اس کے تمام کلام کو بنظر امعان
دیکھا جائے تو معلوم ہوگا، کہ یہ اعتراض بھی واقعات سے بعید ہے، چنانچہ اس کے کلام مین اکثر مذہب،
خدا اور دیگر امور مذہبی کے متعلق بیانات ملتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ خود اس کے زمانہ زندگی

ہین اس پر اس قسم کے الزامات قایم کیے گئے تھے، اس نے خود بھی ایک جگہ اسی الزام کی تردید مین صاف طور پر لکھا ہے، ؎

سد الناس وصار وان رائا صالحًا فی الدین قالوا مبتدع

(لوگون مین خود مذہب کے بارے مین خرابیان ہوگئی ہین اور جب وہ کسی کو مذہب کا پابند دیکھتے ہین، تو اس پر بدعت کا الزام لگا دیتے ہین)

اس کو اسی الزام سے بری کرنے کے لیے مسٹر نکلسن نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ:۔

"ابوالعتاہیہ کے کلام مین کہین کوئی ایسی بات نہین ملتی جو ایک پکے دین دار کے عقیدے کے خلاف ہو، چنانچہ اس کے کلام مین اسلامی عقیدے کے بالکل مطابق خود یوم آخرت کے متعلق بہت کچھ موجود ہے، اس کے ثبوت مین ذیل کے اشعار ہین:۔

لدوا للموت وابنوا للخراب فکلکم یصیر الی تباب

ساسأل عن امور کنتُ فیھا فما عذری ھناک وما جوابی

بایۃ حجۃ احتج یوم الحساب اذا دعیت الی الحساب

(میرے تمام کامون کی بابت پرسش ہوگی، اس وقت میرا کیا عذر ہوگا، اور کیا جواب ہوگا، وہ کون سی دلیل ہوگی، جس کی بناپر مین یوم حشر مین جب کہ مین بلایا جاؤن گا حساب دون گا)

ابوالعتاہیہ کو جب لوگون نے ملحد ہونے کا الزام دیا تو وہ ایک مرتبہ خلیل بن اسعد کے پاس گیا، اور اس سے شکایت کی کہ لوگ مجھے زندیق بتاتے ہین درآنحالیکہ مین پکا موحد ہون، انھون نے پوچھا، یہ بتاؤ کہ تمھارے پاس اس کی کیا دلیل ہے، اس نے جواب مین حسب ذیل اشعار سنائے،

الا اننا کلنا بائد وای بنی آدم خالد

وبدءھم کان من ربھم وکل الی ربہ عائد

فیا عجبا کیف یعصی الالہ ام کیف یجحدہ الجاحد

وفی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

(بیشک ہم سب فانی ہین، اور تمام بنی نوع انسان مین وہ کون ہے جو غیر فانی ہے، ہم سب کی ابتدا خداوند تعالی سے ہو اور آخر مین سب اس کی طرف واپس جائین گے، کس قدر تعجب ہے کہ لوگ خدا کی نافرمانی کرتے ہین، اور مرتد اس کی تردید کرتا ہے ہر چیز مین کوئی نہ کوئی ضرور نشانی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے، کہ خدا ایک ہے)

ان تمام واقعات وحالات سے یہ بالکل واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالعتاہیہ عقائد کے اعتبار سے راسخ مسلمان تھا، وہ خدا تعالی کو وحدہ لاشریک تسلیم کرتا تھا، اور یوم آخرت پر بھی وہ اعتقاد رکھتا تھا،

بعض مرتبہ ابوالعتاہیہ کو بخل اور کنجوسی کا الزام دیا جاتا ہے، لیکن جہان تک کہ اس کے کلام کا تعلق ہے، اس سے اس الزام کی بھی تردید پائی جاتی ہے، اس کا کلام قناعت کی تعلیم سے مملو نظر آتا ہے، اور بخیل ہمیشہ حریص ہوا کرتا ہے، لہذا جو شخص قناعت کی تعلیم دے وہ حریص نہین ہوسکتا، اس لئے کہ قناعت اور حرص یہ دونون متضاد ہین، واقعہ یہ ہے کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ایک شخص اپنی تقریر یا تحریر سے جو نظریئے قایم کرتا ہے، وہ اپنے اعمال وافعال سے انکی بسا اوقات تردید بھی کر دیا کرتا ہے، گویا اقوال وافعال مین یکسانیت نہین پائی جاتی لوگ محض ظاہری طور پر اسکے اعمال دیکھ کر اس پر الزامات قایم کرتے ہین، اور جو لوگ اس کی محض تحریر پر نظر کرتے ہین وہ ان الزامات کی تردید مین اس کا کلام پیش کرکے اس کو بری کرنا چاہتے ہین، بالخصوص شاعر کے کلام اور اسکی روزمرہ زندگی کے واقعات مین نمایان فرق ملتا ہے،

اور اسی وجہ سے قرآن شریف مین بھی شاعر کی تعریف ان الفاظ مین بیان ہوئی ہے، انھم یقولون
ما لا تفعلون یعنی جو کچھ وہ کہتے ہین اس کے خلاف کرتے ہین، چنانچہ ابو العتاہیہ بھی اس اصول سے
مستثنیٰ نہ تھا، اس کے کلام مین جہان قناعت کی تعلیم ملتی ہے، وہان اس کے زمانہ کے خود اس کے متعلق
جو بخل کے قصے سننے مین آتے ہین وہ اس کے کلام کی تردید کرتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ صحیح اندازہ ایک
شاعر کا مشکل ہوتا ہے،

کہا جاتا ہے کہ ایکمرتبہ ایک محتاج ابو العتاہیہ کے پاس آیا، اس وقت وہ اپنے دوست احباب کے پاس
بیٹھا ہوا، خوش گپیون مین مشغول تھا، محتاج نے ابو العتاہیہ کو مخاطب کرکے دست سوال دراز کیا،
لیکن اس نے جواب مین صاف انکار کر دیا، فقیر نے تین مرتبہ اصرار کیا، لیکن شاعر برابر صاف جواب
دیتا رہا، اس پر اس فقیر کو بھی غصہ آگیا، اور اس نے بالآخر کہا کہ کیا تو نے ہی یہ شعر نہین کہے ہین ؎

كُلُّ حيٍّ عند منيتِهِ حظُّهُ من مالهِ الكفن
انَّ مالَ المرءِ ليس لهُ منه الا ذكره الحسن

(ہر زندہ شخص کا مرتے وقت اس کے مال سے صرف کفن ہی حصہ ہوتا ہی، انسان کا
مال اس کے کچھ کام نہین آتا، لیکن اس کی خیرات اور نیک نامی بھی کار آمد ہوتی ہی)

ابو العتاہیہ نے کہا کہ بیشک یہ میرے ہی شعر ہین، اس پر فقیر نے اس سے حجت کی اور قائل کیا،
یہان تک کہ اس کو کوئی جواب نہ بن پڑا اور غصہ ہو کر کہنے لگا، کہ اسی وجہ سے تو خیرات کو اسلام مین
حرام کر دیا گیا ہے،

ابو العتاہیہ مامون الرشید کے عہد رشید تک زندہ رہا، اور اس نے اس کی شان مین بھی اکثر مدحیہ
قصائد لکھے ہین، آخر زمانہ مین اس نے بالکل گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اپنے دوست احباب تک سے
ملنا جلنا سب ترک کر دیا تھا، جب اس کا وقت قریب آپہونچا تو وہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتا تھا، ؎

الٰهي لا تعذبني فاني مقرٌّ بالذي قد كان مني
وما لي حيلة الا رجائي وعفوك ان عفوت وحسن ظني
وكم من زلة لي في الخطايا وانت علي ذو فضل ومنّ
اذا فكرت في ندمي عليها عضضتُ انا ملي وقرعت سني

(اے میرے خدا! مجھے عذاب مین مبتلا نہ کر، مین اپنے گناہون کا اعتراف کرتا ہون
جبکہ مین مرتکب رہا ہون، میرے پاس کوئی عذر بجز میری امید اور تیری بخشش و کرم کے
نہین ہے، اگر تو مجھے معاف کر دیگا، ؟ مین نے کس قدر لغزشین کی ہین، اور گناہون کا
ارتکاب کیا ہے، لیکن تو صاحب فضل و کرم ہے، جب کبھی مین اس کو سوچتا ہون تو بوجہ
ندامت کے مین اپنی انگلیان چباتا ہون، اور دانت پیستا ہون)

ان اشعار سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بہ حیثیت ایک مسلمان کے راسخ العقیدہ شخص تھا،
اس کے انتقال کے سال کی بابت لوگون مین اختلاف ہے، بعض کہتے ہین کہ اس کا انتقال سنہ ۲۱۰ھ
مین ہوا، اور بعض سنہ ۲۱۳ھ بتاتے ہین، لیکن یہ مسلم ہے کہ وہ اسّی سال کی عمر مین بہ زمانہ خلیفہ مامون الرشید
واصل بحق ہوا، اور شہر بغداد مین دفن کیا گیا، اسکی قبر کے کتبہ پر اس کا اپنا تصنیف کردہ یہ شعر لکھا ہی،

ليس زاد سوى التقى فخذي منه او دعي

(ورع و پرہیزگاری کے سوا کوئی زاد راہ نہین ہے، لہذا اس کو اختیار کر یا علیحدہ ہو جا)

ابو العتاہیہ کا کلام اس قدر زیادہ ہے کہ وہ سب کا سب از ابتدا تا انتہا کسی ایک جگہ مدون
نہین کیا جا سکا، جو کچھ تدوین ہو سکا ہے وہ ناکمل ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، اکثر اس کا
کلام فی البدیہہ یا برجستہ بھی ہے، اس کو یاد رکھنے والے بھی بہت کم لوگ ہین، صاحب الاغانی کا بیان
ہے کہ بشار، السعید اور ابو العتاہیہ، تینون فطری شاعر ہین، اور ان سب کا کلام اس قدر کثیر ہے

کہ کوئی بھی سب کا سب مدون نہ کر سکا، ابو العتاہیہ کا دیوان اس کی زندگی مین مرتب نہ ہو سکا، بلکہ اس کے انتقال کے بعد مختلف مقامات اشخاص اور جگہون سے جمع کر کے ترتیب دیا گیا ہے، اور یہی قدیم طرز کے مطابق حروف تہجی کے اعتبار سے الف سے لیکر یٰ تک اس کو ترتیب دیا گیا ہے،

مرتب دیوان نے اپنے دیباچہ مین ہی اس کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ شاعری انسانی تخیلات کو بلند کرتی ہے، اور دماغ کو فرحت بخشتی ہے، اس لئے مین نے عربی کے اکثر دوادین کا مطالعہ کیا لیکن میرے مقصد کو پورا کرنے کے لئے سوائے دیوان ابو العتاہیہ کے اور کوئی بھی کارآمد ثابت نہ ہوا، جو خیالات کی صفائی، سلاست زبان، قوافی کی خوبی اور ذوق سلیم پر یکسان طور پر حاوی ہوتا،

اس کے دیوان کا سب سے پہلا شعر یہ ہے:-

الخیر والشرّ عادات واھواءُ   وقد یکون من الاحباب اعداءُ

(بھلائی اور برائی عادات اور خواہشات ہین اور اکثر دوست بھی دشمن ہوجاتے ہین)

اگر بہ نظر امعان غور کیا جائے تو یہ شعر جس سے کہ دیوان کا آغاز ہوتا ہے، باوجود سلاست زبان کے صدق گوئی کا مجسم فلسفہ ہے، لیکن اس کا دیوان حسن و عشق کے ولولہ انگیز افسانون سے مبرا ہے، نہ اس کے دیوان مین شعرائے متقدمین کی طرح کسی اصلی یا فرضی محبوبہ کے محاسن کی داستان ہی ملتی ہے، اور نہ اس کے ویران کھنڈرون پر دیرینہ تعلقات کے اظہار کے لئے لفاظی پائی جاتی ہے، بلکہ ہر جگہ راست گوئی اور واقعات کا بیان ہے، اس اعتبار سے اگر ہم اس کو ہندوستان کے مصلح قوم شاعر مولانا حالی مرحوم سے تشبیہ دیدین تو بے جا نہ ہوگا، انھون نے بھی متقدمین کے قدیم رنگ اور ان کی پرانی غزل گوئی کے طرز کو چھوڑ کر محض حق پژوہی اور واقعات سے بحث کی ہے، عرب کے شعراء متقدمین کے کلام کا بیشتر حصہ محض تشبیب و نسیب پر مشتمل ہوتا تھا، جسمین صنف نازک کے

مختلف اعضا و جوارح کے مبالغہ آمیز بیانات، ان کے ناز و انداز اور اپنے فراق یا وصال کے جھوٹے سچے قصون کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا، یہان تک کہ بعض مرتبہ ایک شاعر اپنے ممدوح کی تعریف مین قصیدہ لکھنے مین تشبیب مین اس قدر مبالغہ کر دیتا تھا کہ قصیدہ مین نصف سے زائد حصہ اس کی فرضی محبوبہ کی تعریف مین ہوتا تھا، اور نصف سے کم ممدوح کی مدح مین، چونکہ زمانہ کی ذہنیت بالکل بدل گئی تھی اور انسانی فطرت بھی اس کی مقتضی ہے کہ لغو گوئی اور تغزل مین انسان کو زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، اس لئے جو شاعر اس قدیم روش سے قدر قلیل بھی گریز کرتا ہے وہ عام مذاق کی کسوٹی پر پورا نہین اترتا، لیکن زمانہ کی بدذوقی سے کسی صحیح معیار یا اس کے مطابق کسی شاعر کے ذوق سلیم پر اثر نہین پڑسکتا،

شاعری کا مقصد اور غایت یہی نہین ہے کہ وہ محض جذبات حیوانی کو برانگیختہ کرنے مین کام مین لائی جائے، بلکہ شاعری سے بہت زیادہ ارفع اور اعلیٰ کام لیا جاسکتا ہے، لہذا جو لوگ کہ شاعری کو محض قدیم طریقہ پر اپنے ذاتی معیار اور ذوق سے پرکھنے کی کوشش کرین گے، ان کے نقطۂ نظر سے ابو العتاہیہ کبھی صحیح معیار پر نہین اتر سکتا ہے، لیکن ہان اس کے برعکس اگر شاعری کو صحیح معیار سے جانچا جائے، اور ذوق سلیم سے اس کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فی الواقعہ ابو العتاہیہ صحیح معنون مین شاعر اور اپنی آپ ہی نظیر تھا،

ہم بندش الفاظ، خوبی معنی اور لطافت کے لئے ذیل کے شعر کو دیوان ابو العتاہیہ سے پیش کرتے ہین:-

تجرد من الدنیا فانک انما   وقعت الی الدنیا وانت مجرد

(دنیا کے سامان سے عریان ہوجا، کیونکہ جب تو دنیا مین بھیجا گیا تھا تو عریان ہی تھا)

اسی طرح قناعت کے بارے مین ذیل کے اشعار کس خوبی سے لکھے گئے ہین :-

نعم الفراش الارض فاقنع بہ　　　　وکن عن الشر قصیرا لخطی

ما اکرم الصبر وما احسن　　　　الصدق وازینہٗ بالفتی

(زمین کا فرش کس قدر خوبصورت اور خوش نما ہے، لہذا اس پر قناعت کر اور برائی کرنے کی طرف کوتاہ قدمی کر، صبر (قناعت) کس قدر عمدہ صفت ہے، اور راست گوئی ایک نوجوان کے لئے کس قدر اعلیٰ صفت ہے)

ابو العتاہیہ کے نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ باعزت اور باوقعت شخص قانع ہوتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ :-

لم یزل القانعون اشرفنا　لیکن قانع سب سے زیادہ شریف کہا جا سکتا ہے،

ابو العتاہیہ نے فقیرانہ زندگی کو بھی بہت سراہا ہے، چنانچہ ایک جگہ اس کے متعلق لکھا ہے کہ

اذا اردت شریف الناس کلھم　　　　فانظر الی ملک فی زی مسکین

(اگر تم سب سے زیادہ شریف انسان کو دیکھنا چاہتے ہو تو ایک بادشاہ کو فقیرانہ لباس مین دیکھو)

اسی طرح اس کے نزدیک انسان کی موت و زیست کا معیار بھی ایک خاص ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے واضح ہوتا ہے :-

عمر الفتی ذکرہ لا طول مدتہ　　　　وموتہ خزیہ لا یومہ الدانی

فاحی ذکرک بالاحسان تفعلہ　　　　یکن کذالک فی الدنیا حیاتان

(انسان کی زندگی (دراصل) اسکی نیک نامی ہے، نہ کہ اسکی درازی عمر اور موت (دراصل) اس کی بدنامی ہے نہ کہ وہ جب کہ اس کا دن قریب ہو، اپنے نیک نام کو اعمال حسنہ سے

زندہ کر اور اس طرح پر تو دوہری زندگی پاوے گا)

اسی مفہوم کو شیخ سعدی نے بھی فارسی مین اس طرح ادا کیا ہے،

نام نیک رفتگان ضایع مکن

تا بماند نام نیکت برقرار

دو اور شعر بھی زندگی کے متعلق ابو العتاہیہ کے ہین ؎

حیاتک انفاس تعد فکلما　　　　مضی نفس منھا انتقصت بہا جزءا

یمیتک ما یحییک فی کل ساعۃ　　　　ویحدوک حاد ما یرید بک الھزءا

(تمہاری زندگی گنتی کے چند سانسون کا مجموعہ ہے، اس لئے جب ایک سانس نکلتا ہے تو گویا تمھاری عمر کا کچھ حصہ کم ہو جاتا ہے، (یعنی) جو چیز کہ تم کو زندہ رکھتی ہے وہی تمھاری (دراصل) موت ہے، اور وہ ہانکنے والا ہانکتا ہے، جو تمہارے ساتھ کسی قسم کی رعایت و مروت نہین چاہتا)

اگر انسان کی حیات و ممات کے فلسفہ کو غور کیا جائے، تو واقعۃً انسان کی زندگی چند سانسون کے مجموعہ کا نام ہے، اور اس مین روزانہ جس قدر کم ہوتے ہین اسی قدر انسانی زندگی کم ہوتی جاتی ہے، اسی خیال کو مد نظر رکھکر ابو العتاہیہ کے یہ دونون شعر انسان کی موت و زیست کے بہترین تخیل پر مبنی معلوم ہوتے ہین، جس سے اس کی فہم رسا اور ذہن ذکا کا پتہ چلتا ہے، اسی خیال کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کے مشہور شاعر چکبست نے بھی اسی طرح انسانی زندگی کو ترتیب عناصر سے تشبیہ دی ہے، اور عناصر اربعہ کے منتشر ہو جانے کو موت قرار دیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے، ؎

زندگی کیا ہے ؟ عناصر مین ظہور ترتیب

موت کیا ہے ؟ انھین اجزا کا پریشان ہونا

لیکن جو خاص بات عرب کے شاعر نے اپنے فطری شاعرانہ ذوق مین پیدا کر دی ہے وہ ہندوستانی شاعر کے خیال سے بہت بالا ہے، مجموعہ انفاس اور مجموعہ عناصر مین اول الذکر مین بلحاظ ہر وقت سانس کی آمد و رفت کے جو لطافت اور خوبی پیدا ہو گئی ہے وہ عناصر کے تخیل سے پیدا نہین ہو سکتی، حالانکہ مطلب دونون کا ایک ہی ہے،

ایک موقعہ پر اپنے کسی دوست کی وفات پر ابو العتاہیہ نے مرثیہ کہا، اور اس مین کے یہ دو شعر ہین:۔ ؎

مالی مررت علی القبور مسلماً   قبر الحبیب فلم یرد جوابی

لو کان ینطق بالجواب لقال لی   اکل التراب محاسنی وشبابی

(مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مین قبرستان مین گیا اپنے دوست کی قبر کو سلام کیا، لیکن اس نے کوئی جواب نہین دیا، اور اگر وہ کچھ جواب دیتا بھی تو یہی کہتا کہ میرے محاسن اور شباب کو مٹی نے غارت کر دیا)

جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے، کہ لبا اوقات ایک انسان بالعموم اور ایک شاعر بالخصوص جو کچھ کہ وہ کہتا یا لکھتا ہے، اس کے بالکل برخلاف وہ کیا کرتا ہے یعنی اس کے اقوال و افعال مین تطابق بمشکل ہوتا ہے، اور اسی بنا پر جو لوگ کہ اس کے محض اقوال و تحریرات پر جاتے ہین وہ اس کے متعلق ان کے مطابق اپنی رائے قائم کر لیتے ہین، اور جو اس کے حالاتِ زندگی اور واقعات سے واقف ہوتے ہین، ان کی نظر مین اس کا تخیل وہی ہوتا ہے، چنانچہ یہی صورت ابو العتاہیہ کے متعلق بھی اگر ہوئی ہو تو کچھ بعید از قیاس نہین ہے، اس کو بالعموم زندیق اور ملحد کہا جاتا ہے، بہت ممکن ہے کہ اس کے زبانی اقوال اور اس کے اعمال کی بنا پر یہ روایت صحیح ہو لیکن جہان تک کہ اس کے کلام کا تعلق ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کا ضرور قائل تھا، اس نے اکثر مقام پر حمد بیان کی ہے

چنانچہ ذیل کا شعر بھی اس کے ثبوت مین پیش کیا جا سکتا ہے:۔ ؎

سبحان من یعطی بغیر حساب   ملک الملوک و وارث الاسباب

(سب تعریف اس خدا کے لئے ہے، جو (سب کو) بے حساب دیتا ہے، وہ شاہنشاہ ہے، اور تمام اسباب کا مالک ہے یعنی مسبب الاسباب ہے)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر قرآن مجید کی ایک آیت کو اپنے شعر مین بیان کیا ہے، اور انسان کی پیدائش کے متعلق کہا ہے، کہ وہ صرف مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور پھر اسی کی طرف واپس جائیگا، گویا وہ معاد و محشر کا بھی قائل تھا، اس شعر مین اس نے اچھی خاصی تفسیر بیان کر دی ہے، چنانچہ لکھتا ہے:۔

من تراب خلقت لا شک فیه   وغدا انت صائر الی التراب

(تم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور اس مین کوئی شک نہین، اور کل کو اسی مٹی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے)

ابو العتاہیہ کو غالباً اپنے نسب کے متعلق یقین تھا کہ اس پر کچھ بہت زیادہ فخر نہین کر سکتا ہے اس لئے اس نے اس کے متعلق کبھی غور نہین کیا، اگرچہ عرب کے دیگر شعراء بھی اسلامی نقطۂ نظر سے اپنے نسب پر فخر نہین کرتے ہین لیکن اس کے ساتھ ہی انھون نے اپنی اعلیٰ نسبی پر اظہار تشکر بھی کیا ہے، مثلاً ابن الوردی نے ایک موقع پر پند و نصائح بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کو اپنے باپ دادا پر فخر نہین جتانا چاہئے، بلکہ وہ خود جو کچھ حاصل کرے اس پر فخر کرے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا ہے، کہ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے، کہ مین خود کوئی بدنسل یا مجہول النسب ہون گا، بلکہ مین خود باوجود صدیقی ہونے کے اس چیز کو قابل غور نہین سمجھتا، چنانچہ ذیل کے اشعار ابن الوردی کے ہین،

لا تقل اصلی وفصلی ابداً   انما اصل الفتی ما قد حصل

قد یسودُ المرءُ من غیر اب　　وبحسن السبك قد ینفی الدغل

وکذاک الوردُ من شوک نما　　یطلع النرجس الا من بصل

لیکن اس نظریہ کو قایم کرنے کے بعد وہ پھر یہ بھی کہتا ہے کہ ؎

غیر انی احمد اللہ علی　　نسبی اذ بابی بکر اتصل

برخلاف اس کے ابو العتاہیہ کے پاس ایک روز ایک شخص شہر کنعان سے آیا، اور وہ اپنی عالی نسبی پر اس کے سامنے فخر کرنے لگا، اس کے جواب مین شاعر نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے،

دعنی من ذکر اب وجد　　ونسب یعلیك سور المجد

ما الفخر الا فی التقیٰ والزھد　　وطاعة تعطی جنان الخلد

(باپ دادا کا ذکر کرنا میرے سامنے چھوڑ دے، اور نسب کو جو تجھے بزرگی پر پہونچاتا ہے بجز زہد و ورع اطاعت و پرہیز گاری اور کسی چیز مین فخر نہین ہے، اور انھین کی بدولت ہمیشہ رہنے کے لئے جنت ملجائے گی)

اس مین شک نہین کہ ان اشعار سے اس کا قادر الکلام ہونا اور اس کا قوافی پر عبور ظاہر ہوتا ہے اس سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ جہان وہ وحدانیت معاد و محشر کا قائل تھا وہان اس کو جنت کا بھی یقین تھا، اس کی برجستگی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور اس قدر فی البدیہہ شاعر تھا کہ وہ اثنائے گفتگو مین بغیر سوچے سمجھے گفتگو کر سکتا تھا،

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عیر

"منیجر"

یورپ کے چند غیر دکھنی مخطوطے

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی

انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور فرانس کے دکھنی مخطوطون کے متعلق میرے متعدد مضمون ہدیہ ناظرین ہو چکے ہین[1]، اور ان کی پوری تفصیلی صراحت کافی وضاحت کے ساتھ میری زیر تالیف کتاب "یورپ کے دکھنی مخطوطے" مین ہو گی، یہان مین ان مخطوطون کی صراحت کرتا ہون، جنکو یورپ کی کیٹلاگون مین دکھنی لکھا گیا ہے، مگر در اصل وہ دکھنی نہین ہین، اور نیز ان کا ذکر مقصود ہے جن کو یہان دکھنی خیال کیا گیا ہے، چونکہ یہ میری زیر تالیف کتاب سے غیر متعلق ہین اس لئے ان کی صراحت مفید ہو سکتی ہے،

برٹش میوزیم کی کیٹلاگ مین دو کتابون کے ساتھ دکھنی کا ذکر کیا گیا ہے، جو دکھنی نہین ہین، (۱) نور نامہ، (۲) مجموعۂ عاشقین،

(۱) نور نامہ، مصنف کیٹلاگ نے اس کے متعلق جو صراحت کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"ایک مذہبی نظم جو نسخ مین لکھی گئی ہے دکھنی زبان مین ہے، دوسرے قلم سے مختلف نوٹ لکھے

[1] رسالہ معارف کے شایع شدہ مضامین کے سوا دکھنیات کے متعلق میرے حسب ذیل مضمون شایع ہوئے ہین:-

نیرنگ خیال لاہور مین:- (۱) لندن مین طوطے نامہ (۲) بدماوت کے قصے،

جامعہ دہلی مین:- (۱) امین کی یوسف زلیخا، (۲) یورپ مین باقر آگاہ کی تصنیفات،

سفینہ مدراس مین:- (۱) برٹش میوزیم کی کیٹلاگ کی فروگذاشتین (۲) ٹیپو سلطان نے اردو کی کیا خدمت کی (۳) عہد آصفیہ کے چند مخطوطے،

"ہاشمی"

ہوئے ہین، پہلے صفحہ پر ایک فارسی نظم بھی ہے"

اس صراحت سے نفس کتاب پر کچھ روشنی نہین پڑتی، اور پھر یہ نوٹ اس لئے بھی غلط ہے کہ اس مین دکھنی کا ذکر ہے، جو دراصل نہین ہے، کتاب کا نام مصنف کی صراحت نہ نفس مضمون کی توضیح کچھ بھی ظاہر نہین ہوتی،

یہ کتاب پنجابی زبان مین ہے، جس کا مصنف الٰہی بخش اور کتاب کا نام نور نامہ ہے، جن کی تصدیق ذیل کے اشعار سے ہو سکتی ہے،

کو لکھ رکھی نور نامہ اندر با کو بھر یا بھر ادی — بھو سے سنے کو لون حاجت منگی رب بتجادی
(ص ۱۵)

جنکی برت طیر بہایم رکھ زمین دی ساری — دیکھ فضیلت نور نامہ دی منگن فضل دربجاری
(ص ۱۶)

امام غزالی بھر دیان ہٹ وہ وچہ کتابان دسہنا — نور نامہ لکھ تحفہ کرکے چلیا غزنی سدھا
(ص ۱۷)

نور نامہ کی صراحت مین اور بھی شعر ہین جنکو نظر انداز کیا جاتا ہے، مصنف کے متعلق ملاحظہ ہو،

جنت حوران بہشتی بہشتی ہور انوع نعامتہ — الٰہی بخش لقا مصنف تامین کرین یمان سلامتہ

لکھنے والے بخش الٰہی پڑھنے والے بھٹی — سنی والے کلی بخشی مسلم سیہ صحیح،

ایمان سلامت بخش الٰہی مراد نا نینار — حرمت نال نبیدی جبادلنون کوئن انبار

الٰہی بخش کے متعلق چند معلومات بعض دیگر کتابون سے حاصل ہوتی ہین، جو انڈیا آفس کے کتب خانہ مین ہین،

ان مین سے ایک مخطوطہ نجات المومنین نام ہے، یہ بالکل اسی خط مین ہے، جس خط مین نور نامہ ہے، اس سے قیاس ہو سکتا ہے، کہ دونون کا کاتب ایک ہی شخص ہے، نجات المومنین کے خاتمہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے،

"کتبہ ہذا الحروف سید مراد علی امام مسجد سفید پوش چبوترہ کوتوالی واقع است، ور مکتب

مرزا عبد القادر و مرزا خسرو بخش و مرزا علی بخت فرزندان مرزا الٰہی بخش عرف مرزا جان غفر اللہ لی و لکم بست ربیع الثانی یوم چہار شنبہ وقت ظہر سنہ ۱۲۵۰ اکبر شاہی"،

اسی کتاب کے چند اشعار قابل ملاحظہ ہین،-

نام نجات المومنین اس رسالہ جان — پڑھ اسکو سی عمل کو تھیں وچ امان

بخش الٰہی اوسنون رحمت نال ایمان — وچ بہشت لقا بہی دوزخ کنون امان
(ص ۷۵)

بکا کاغذ کالی سیاہی — لکھن والے نون بخش الٰہی

اسی کے ساتھ ایک دوسری کتاب جامع الوجوہات ہے، اس کے اشعار بھی قابل ملاحظہ ہین،

جو رتمام کتاب جو کیتی ہو با فضل خدا — جامع الوجوہات نام اسیدی معنی استی،

بخشی مصنف نان ناؤ پیو نال استاد میر بی — ساری مومن بخش الٰہی برکت پاک سبھی دی

اسی جلد مین چند دوسری کتابین بھی شامل ہین جو سب سید مراد علی کی لکھی ہوئی ہین، ان کا سنہ کتابت سنہ ۱۲۴۹ ہے،

اسی کے ساتھ ایک اور عربی کتاب بھی ہے، جس کے خاتمہ کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"تحریر بتاریخ ششم ماہ ربیع الاول یوم چہار شنبہ بوقت ظہر در مسجد سلاطینان سنہ ۱۲۴۹
مطابق سنہ ۲ جلوس کاتب الحروف عاصی پر معاصی جہول مجہول طالب العلم عبد القادر ابن مرزا جان عرف مرزا الٰہی بخش"،

اس تفصیل سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ الٰہی بخش شمالی ہند مین کوئی ذی اثر شخص تھے، انھون نے متعدد کتابین لکھین، اور عموماً اپنی نظم مین کتاب کا نام اور اپنا نام لکھا کرتے تھے، جن کا زمانہ سنہ ۱۲۴۹ کے پہلے کا ہے، مخفی نہ رہے، کہ یہ الٰہی بخش مرزا غالب کے خسر نہین ہین،

نور نامہ کی تالیف کس سنہ مین ہوئی، ؟ اسکی کوئی وضاحت کتاب سے نہین ہوتی، البتہ جامع الوجوہات

مین سنہ تصنیف درج ہے:-

کیتی جو رتمام کتاب پچ سنہ ہجری جان   گیاران سی نی اسی بھین ست سہنال بچھان

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۱۸۰ھ مین اس کی تصنیف ہوئی ہے، قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ اسی سنہ کے قریب نور نامہ کی تصنیف بھی ہوئی ہوگی،

نور نامہ، نور محمدی کے بیان مین ہے، بطور نمونہ چند اشعار قابل ملاحظہ ہین،

کہا پانی با نور محمد تون کری عیب کبیر   نور کہا لی عیب خدا مین بندا پر تقصیر

پھر انور شہادت کلمہ آندا آپ بیان   فیر آتش کول دیچ کھلوتی نور سیدا جان

آتش دیچ دینی معزوری بھاکر تمام   کہا نور سلام علیکم کیتا وا علیکم السلام

نور کیا کمہ کر سین در دنیا دیچہ لی نور کہا ئی نار   جھری کم میری با حضرت مین کرین مدد اظہار

اس کا نمبر (ADD 26530) ہے، ورق (۱۰) سطر ۱۳

(۲) مجموعۂ عاشقین، نمبر (ADD 8923) ورق (۵۶) سطر ۱۶،

یہ بھی برٹش میوزیم مین ہے، بلوم ہارٹ کی صراحت کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

"ایک نظم سید عبد العلی متخلص ادھم کی تصنیف، مصنف نے اپنے متعلق کوئی وضاحت نہین کی ہے، اور نہ ہندوستان کے کسی تذکرہ مین ان کا ذکر ہے، یہ اٹھاروین صدی عیسوی کے ایک دکھنی شاعر تھے،"

کتاب کا نام غالباً بلوم ہارٹ نے خاتمہ کی عبارت سے اخذ کیا ہے، جو حسب ذیل ہی:-

"تمت بالخیر نسخہ مجموعہ عاشقین من تصنیف بسید شاہ عبد العلی ادھم واقعہ لسبت دکم شعبان سنہ ۱۲۳۰ھ"

مگر نفس کتاب سے واضح ہے کہ اس کا نام رموز العاشقین بھی ہے،

صدف مین دُرِ معنی بھر چکا   منہ حسب قانع ہوئی وزیر خدا

نام اس کا ہے رموز العاشقین   قصہ رنگین حکایت عارفین

(ص ۳۶ ب)

تعجب ہے بلوم ہارٹ نے اس کو دکھنی کیون قرار دیا ہے، کیونکہ طرز نظم سے اس کا دکھنی ہونا ظاہر نہین ہوتا، اور نہ کسی دکھنی تذکرہ مین ان کا ذکر ہے، اس کے برخلاف خود نفس کتاب سے اس کا لکھنؤ مین تصنیف ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ آصف الدولہ کی تعریف کسی دکھنی شاعر کے لئے ضروری نہین،

بعد حمد اور نعت ذکر اولیا   ہین محب صادق آل عبا

سر کردہ شیعہ شاہ نجف   پاتے ہین...... خلعت شرف

یعنی نواب آصف الدولہ شجا   جن کے طالب ہین سبھی شاہ و گدا

خلقت خالق کی یہ ہے حسب وجو   استان بوسی کی، ان کی آرزو

. . . .

بادشاہ حضرت علی یہ ہین وزیر   جانتے لاریب ہین سب مرد پیر

. . . .

جب تلک گنگا مین اور جمنا مین ہی آب   رہین با اقبال قایم باد ہاب

صاحب اولاد حشمت ملک و مال   دوست ان کے شاد دشمن پایمال

. . . .

ہمت نواب اوپر کر ختم   یہ دعا دیتا ہے گا دل سے ادھم

ملک با اقبال ہو اولاد جاہ   ہفت اقلیمون کے ہو تم بادشاہ

کتاب تصوف مین لکھی گئی ہے، عشق حقیقی کا ذکر ہے، تمثیلات اور حکایات بیان کئے گئے ہین

اور ہر واقعہ کو "رمز" سے شروع کیا گیا ہے، مثلاً

رمزیک درویش تھے صاحب کمال ۔۔۔ راہ مین جاتے چلے تھے درخیال

نام تھا شاہ فضل اللہ آباد مین (؟) ۔۔۔ ہین کئے آسودہ خلد آباد مین،

ساتھ ان کے جاتے تھے کئے مرید ۔۔۔ سندوی غلہ مین جس دم وہ رسید

تولتا تھا ایک بنیان اناج کو ۔۔۔ شاہ جی ہوئے کھڑے سن گفتگو

پندرہ پندرہ بولا بنیان از دہان ۔۔۔ حالت ان کی غیر ہوئی سنکر بیان

سولہ سولہ کہہ کے تولے جب دھڑی ۔۔۔ سن کے آئے وجد مین یہ اوس گھڑی

سترہ سترہ کہا بنئے نے جب ۔۔۔ ہوگئی حالت بھی تب ان کی عجب

آخرش آئے جب اپنے ہوش مین ۔۔۔ بات پوچھی مریدون نے انھین،

وجد کا باعث تھا کیا بتلاؤ تم ۔۔۔ جب کہا درویش نے از رو کرم

بندہ مین جو کوئی عارف کے رہے ۔۔۔ سو ہے لہنا ہے گا عقبیٰ کے مرنے

ست رہی سب کچھ ملی درگاہ سے ۔۔۔ جو کہ خواہش وہ کرے اللہ سے

انڈیا آفس مین ایک اور مخطوطہ رموز العاشقین نام ہے جو اس کے سوا ہے۔

(۳) بکٹ کہانی (بارہ ماسہ) نمبر (۱۶۹ و ۱۷۰)

اس کے دو نسخے انڈیا آفس مین ہین، بقول بلوم ہارٹ اس کا مصنف گوپال ہے، اور یہ غالباً اس وجہ سے لکھا گیا ہے کہ نسخہ نمبری (۱۶۹) مین گوپال سرخی سے لکھا ہوا ہے، حکیم شمس اللہ قادری نے اس کو افضل کی تصنیف قرار دیا ہے، اس کو بھی دکھنی خیال کیا گیا ہے، پنجاب مین اردو کے مؤلف نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے، کہ یہ دکھنی نہین، بلکہ پنجابی ہے،

"پنجاب مین اردو" کے مؤلف نے والہ داغستانی کا بیان اپنی تائید مین پیش کیا ہے، مگر تعجب ہے کہ

داغستانی نے اپنی تصنیف مین اسکی صراحت نہین کی ہے کہ افضل پنجابی تھا، اور یہ بھی ذکر نہین ہے کہ افضل نے اردو مین اشعار کہے ہین، کلام کا جو نمونہ اس نے پیش کیا ہے، وہ بھی فارسی ہے، نہ کہ اردو، شیرانی نے قائم چاندپوری کے حوالہ سے اسپرنگر کی صراحت بھی پیش کی ہے، "اور افضل کے زمانہ سے اختلاف کیا ہے"

اسپرنگر نے قایم کا جو حوالہ دیا ہے وہ صحیح نہین ہے، کیونکہ قایم نے مخزن نکات مین (دیکھو انڈیا آفس کا مخطوطہ) افضل کا حال لکھنے کے بعد دکھنی شعراء کا حال شروع کیا ہے، افضل کے متعلق عبد اللہ قطب شاہ سے پیشتر ہونے کی کوئی صراحت نہین کی، قایم کے تذکرہ مین محمد افضل کا حال ذیل کے فقرات پر ختم ہو جاتا ہے

"واین دو سہ چار بیت کذہلی کہ بنام اساتذہ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے تنظیمش بزلی بیش بناشد،" (ص ۶)

اس کے ختم پر وہ دکھنی شعراء کا حال شروع کرتا ہے:-

"اما بعد ازین بسمت بلاد دکن در عہد عبد اللہ قطب شاہ کہ با سخن و اہل آن محبت دل داشت ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت، بادشاہ مذکور نیز طبع موزون داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام شعری گفت ...." (ص ۶ و ۷)

غرض کہ قائم نے افضل کے دکھنی ہونے اور نہ ہونے کے متعلق کوئی وضاحت نہین کی ہے، اس مین تو کوئی شک نہین کہ افضل نام ایک دکھنی شاعر تھا جس کا زمانہ قطب شاہی عہد قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے چند مرثیے اڈنبرہ مین اور مثنوی محی الدین نامہ[1] لندن مین ہے، مگر بکٹ کہانی اس افضل دکھنی کی تصنیف نہین ہے، بلکہ افضل نارنولی کی ہے، مین اپنی تائید مین چند امور کو پیش نظر کرتا ہون:-

[1] محی الدین نامہ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین نمبر (۶۵۰۵ / ۵۴) پر اور ایک نسخہ انڈیا آفس مین نمبر (۳۳ / ۵) پر موجود ہے،

(۱) انڈیا آفس کے ایک دوسرے مخطوطے (تیرا ماسہ جو قطبی کا لکھا ہوا ہے) کے آخری اشعار سے افضل کا نام گوپال ہونے اس کے بکٹ کہانی کے مصنف ہونے کی صراحت کے ساتھ نارنولی ہونا بھی صاف ظاہر ہوتا ہے،

پریم قصہ ہوا آخر ہے یارو　　تیرا مانسہ بھی اس کی مان بچارو
بکٹ افسانہ کا ہے یہ سو بھیا،　　دونون کی تان جنا ہے دوی میا
اس مین افضل کہ جس کا نام گوپال　　کہ تھا وہ نارنولی صاحب حال
اس مین قطبی کہ اکرم کر ہے مشہور　　زشعر و علم ہر دوست معذور

(۲) بکٹ کہانی کے مطالعہ سے جہان اس کی زبان دکھنی پائی جاتی ہے لیکن بعض الفاظ اس کے شمالی ہند کی تصنیف ہونے کا صاف پتہ چلتا ہے، مثلاً چلیا، سنا، وغیرہ، کیونکہ دکھن مین "سینا" "چلیا" استعمال ہوتا ہے،

(۳) دکھن کے ابتدائی دور مین اس قسم کی نظمین نہین لکھی گئین، بلکہ مسلسل قصے لکھے گئے ہین برخلاف شمالی ہند مین اس قسم کے متعدد بارہ ماسہ لکھے گئے ہین، چنانچہ اس کے سوا قاسم اور قطبی کے بارہ ماسہ انڈیا آفس مین اور ایک دوسرا پیرس مین ہے، ان وجوہ سے میری رائے ہے کہ بکٹ کہانی افضل دکھنی کی نہین ہے، بلکہ افضل نارنولی کی ہے،

اس بکٹ کہانی مین ایک عورت اپنے شوہر کے فراق کا بیان کرتی ہے، ہر ماہ مین وہ اس ماہ کے لوازمات بتاتی ہے اور موسم کی حالت وغیرہ کا ذکر کرکے اپنے شوہر کے پردیس مین ہونے کا افسوس کرتی ہے،

انڈیا آفس مین اس کے دو نسخے ہین مگر ان دونون مین اختلاف بھی ہے، اشعار کے تقدیم و تاخیر کے علاوہ تعداد مین کمی اور زیادتی بھی ہے، نمبر (۱۶۹) والے نسخے مین کئی اشعار ایسے ہین

جو زمانہ مابعد کے الحاق ہین، اور دیگر فارسی اشعار بھی زیادہ کئے گئے ہین،

مثلاً ذیل کے اشعار جو نسخہ نمبر (۱۶۹) مین ہین مگر نمبر (۱۷۰) مین نہین ہین،

جانی تم مت جانیو تم بچھڑت موہین　　دہادھی ہین کی لاکری بلکت مین پین ہین
وہی جانی کہ جس کی تن لگی رہے　　رہ گئی اگ تن من مین دکی ہے،
بوا سی کی نہین جس شخص کون بھر　　چہ داند درد دیگر راا ری بیر،
بھی بوری برہ براک سینی　　جری سینہ مرانت اک سنی

اسی طرح بعض اشعار جو نسخہ نمبر (۱۷۰) مین ہین، نسخہ نمبر (۱۶۹) مین نہین ہین:-

شدم از گفتگوی عقل خاموش　　تمامی ہوش عقلم شد فراموش
ندی یکدن مجھے دن رین مون چین　　اندھیری جو جلی روتی میری نین

بعض اشعار مین کچھ تغیر و تبدل ہے، مثلاً:-

نسخہ نمبر (۱۶۹)	نسخہ نمبر (۱۷۰)
اندھیری رین جگنو جگمگا تا	اندھیر رین جس کو جگمکا دی
اری جلتی کی اوپر بہوس لاتا	جلی تن کو میری دوتا جلا دی
بحمد اللہ رہا جی یار پایا	بحمد اللہ وصل یار پایا
تمامی عمر کا جھگڑا چکایا	تمامی عمر کا دوکہ ہا کنوایا
بیاد دلبر با خوش حال می باش	قصہ سارا کہا گوپال افضل
گہی افضل گہی گوپال می باش	کہ شد معشوق سون عاشق کو واصل

نسخہ نمبر ۱۶۹ مین بحمد اللہ الخ کے بعد (۱۰) شعر ہین، جن مین سے چھ نسخہ نمبر ۱۷۰ مین موجود ہین نسخہ نمبر (۱۷۰) مین بحمد اللہ الخ کے بعد صرف تیرہ شعر ہین جس کے سات شعر نسخہ اول الذکر

مین نہین ہین، غرض کہ اس طرح کچھ تغیر و تبدل ہے[1]،

(۴) تیرہ ماسہ نمبر ۹۰ / ۹۳ بلوم ہارٹ انڈیا آفس مین موجود ہے، اس کے متعلق رسالہ تجلی والے مضمون مین

دکھنی ظاہر کرنے کے سوا، اس کو قطب شاہی عہد کی تصنیف خیال کیا گیا اور یہ غلطی کیٹلاگ سے

غیر تشفی بخش صراحت سے ہوئی ہے،

یہ مخطوطہ دکھنی قطبی کا نہین بلکہ شمالی ہند کے قطبی کا ہے، جن کا زمانہ بارہوین صدی ہجری

ہے، غالباً یہ مظہر جان جانان کے مرید تھے،

یہ کتاب بالکل "بکٹ کہانی" کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور خود اس کا اظہار بھی کیا گیا ہے "بکٹ

کہانی" کے سلسلہ مین مین نے ان کو درج کیا ہے، یعنی "پریم قصہ ہوا آخر الخ"

تیرہ ماسہ سنہ ۱۱۶۷ھ مین مرتب ہوا ہے، خاتمہ کے اشعار سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے:

ہزاران یکصد و چہل شصت دیگر جو تھا تب سنہ ہجری مشک اذفر

محمد شاہ کی ہے بادشاہی لگا ہے سنہ تیرہ از فضل الٰہی

میرے قطبی کا جگ جگ راج رہو

گنگا جمنا پان جب تلک نیر بہو،

(۵) امواج خوبی، نمبر (۱) یہ انڈیا آفس مین ہے، اس کے متعلق مین نے اپنے دوسرے مضمون[2]

مین کافی صراحت کردی ہے، یہ دکھنی نہین بلکہ گجراتی ہے،

انڈیا آفس کا یہ نسخہ سنہ ۱۲۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے، خاتمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

"اتمام خوب ترنگ روز سہ شنبہ پنجم صفر ختم اللہ بالخیر و الظفر سنہ ۱۱۸۰ھ بخط شکستہ

[1] ان کتابون کے متعلق مزید اشعار وغیرہ کی ضرورت ہو تو مجھ سے طلب کئے جا سکتے ہین، مضمون کی طوالت کے خیال سے اسی پر اکتفا کیا گیا ہے، [2] ملاحظہ ہو معارف نومبر سنہ ۱۹۲۹ء،

شکستہ پشکستگان راہ عبد اللہ، اللّٰہم دفعہ لما تحب و ترضا"،

انڈیا آفس کے دوسرے نسخے کی نمبر ۲ بعض عبارتین بھی قابل ملاحظہ ہین:-

حاشیہ پر درج ہے،

"این کتاب ملک حیدر بن اسمٰعیل قادری اولاد محمد ملتانی"

وسط صفحہ مین لکھا ہے،

"امواج خوبی من تصنیف خوب ترنگ کہ این ترجمہ شرح نما است و آن تصنیف شیخ

کمال محمد است در نظم بزبان ہندی سخیف ؟ و ہیچ در تصوف و خوب ترنگ آنرا شرح

نمودہ است در فارسی حامل المتن، عنایت فرمودند بخادم خود کہ علی رضا نام دارد"

چونکہ اس پر مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو نے نہایت تفصیل کے ساتھ رسالہ

اردو مین روشنی ڈالی ہے، اس لئے مزید وضاحت کی ضرورت معلوم نہین ہوتی،

(۶) بوجہ نرنجن، نمبر ۴ یہ بھی انڈیا آفس مین ہے،

بلوم ہارٹ نے اس کے متعلق جو صراحت کیٹلاگ مین کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

"ایک اسلامی الٰہیات کی نظم دکھنی زبان مین جسمین ہندی الفاظ زیادہ ہین"

مصنف اور سنہ تالیف کے متعلق کوئی صراحت نہین ہے اور نہ نفس مخطوطہ سے اس پر

کچھ روشنی پڑتی ہے، طرز زبان کے لحاظ سے اسکو دکھنی نہین کہا جاسکتا، اور نہ کسی دکھنی خارجی مواد

سے اسکی تائید ہوتی ہے،

انڈیا آفس کا یہ نسخہ سنہ جلوس محمد شاہ کا لکھا ہوا ہے، کتاب تصوف مین لکھی گئی ہے، عنوانات

قائم کئے گئے ہین، اور ہر عنوان "چوپے" اور "دوہرہ" کے تحت لکھا گیا ہے، بطور نمونہ کلام

ملاحظہ ہو:-

پچوٹلے

رت اچرج کہون ایک پہلی — جیوتین ہوئی جو سی سنبھلے
پیوجہانان کیونر کھٹ آیا، — کون کون یہ پہکہہ بھر آیا،
لانغین ذات کہا وے — جاکی بات کہی نہین جاوے
ڈبکی لے لی غوطہ کھاوے — پیر پیغمبر تونہین پاوے
تہا اگم سمندر کھایا، — جاکو پار نہ کہنون پایا،
جوسوبودی ڈبکی کھاوے — مر مرجئی تو مالک پاوے
ڈبکی لے لے جسم گنوادے — واکے نہاہ نہ کبہون پاوے

دوہرہ

نان ات الہ نرنجن کبھی مان کئے کچھو مات
کو بکی سپا بابا سمر سمر پچھنات

یہ ایک مختصر صراحت چند مخطوطون کی ہے جو دکھنیات کے ضمن مین دیکھی گئی ہین، آیندہ کبھی پیرس کے چند مخطوطون کی صراحت کی جائے گی،

القضاء فی الاسلام،

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اردو مین جدید موضوع پر ایک پر از معلومات رسالہ جس مین طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے اسلامی اصول و قوانین کی تشریح کی گئی ہے، ۹۲ صفحے قیمت ۱۲ر

"منیجر"

سوشیالسٹ سپاہی،

از

از مولینا عبد السلام ندوی

سلسلہ کے لئے دیکھو جلد ۲۰ نمبر ۳

(۵)

اجتماعی دنیا مین ہمیشہ ایک ایسا گروہ موجود رہا ہے جو تمدنی فضا مین اڑنے کی طاقت نہین رکھتا تھا لیکن موجودہ زمانے مین صنعت وحرفت کی ترقی نے اس بے بال وپر گروہ کی تعداد مین غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، اور آج سوشیالزم کے زنگروٹون مین زیادہ تر اسی گروہ کے افراد بھرتی ہوتے ہین، بلکہ تمام شورشون کی علمبرداری کا شرف اسی گروہ کے افراد کو حاصل ہوتا ہے،

اس گروہ کی حیثیتین اگرچہ مختلف ہوتی ہین لیکن چونکہ وہ عموماً تمدنی فضا مین بال وپر کھولنے کی کوئی جگہ نہین پاتا، اس لئے وہ متفقہ طور پر تمدن کا دشمن ہو جاتا ہے، اور یہ دشمنی اس کی مشترکہ خصوصیت ہو جاتی ہے،

اس وقت اس سے بحث نہین ہے کہ اجتماعی زندگی کی تمام شاخون مین یہ میوہ ہاے خام کیونکر لگتے ہین، اس وقت صرف یہ بتا دینا ضروری ہے کہ صنعت وحرفت کے تغیرات و انقلابات نے اس گروہ کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھا دی ہے، کیونکہ ہر طبقہ کے لوگون کی اجرت اگرچہ آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے، اور جماعت کے ذرائع معاش مین وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے لیکن اس سے صرف متوسط درجہ کے مزدورون نے فائدہ اٹھایا ہے، اور جو مزدور اپنے طبعی عجز و درماندگی کی وجہ سے اس طبقہ مین شامل نہین ہین، وہ اس خوان کرم سے بالکل بے بہرہ ہین، اس لئے ایک روشن منظر کے مقابل مین ایک تاریک منظر بھی ہماری

نگاہون کے سامنے ہے،

جس زمانے مین حرفتی نظام کے لئے مزدورون کی محدود تعداد کافی تھی، اور ان مین باہمی مقابلہ نہین ہوتا تھا اس وقت اگرچہ کوئی مزدور بہت زیادہ ترقی نہین کر سکتا تھا، تاہم وہ اس قدر تنزل بھی نہین کرتا تھا کہ زندگی کی فضائے الگ ہوکر بالکل خانہ بدوش بدوؤن کی طرح زندگی بسر کرنے لگے، بلکہ اسکو تمدنی دسترخوان سے دو وقت روکھے پھیکے ٹکڑے مل ہی جاتے تھے، لیکن موجودہ زمانے مین اقتصادی مقابلہ کی بنا پر جیسا کہ موسیو (سینو[illegible]

فرماتے ہین:-

"وہ دروازہ گر پڑا ہے جس سے اجتماع انسانی کی دیوار قائم تھی، اور ریگ کے جن ذرون کی ترکیب سے یہ دروازہ تیار ہوا تھا، وہ خود اپنی ذاتی قوت سے حرکت کر رہے ہین، اس بنا پر ہر وہ شخص جو اپنے گردوپیش کے لوگون پر تفوق و امتیاز رکھتا ہے، کشمکش زندگی کی فضا مین اونچا اڑنا چاہتا ہے، لیکن روحانی اور جسمانی حیثیت سے جو لوگ کوئی عمدہ قابلیت نہین رکھتے وہ گرتے چلے جاتے ہین، اور گرنے مین کوئی چیز ان کی روک تھام نہین کرتی"

کیونکہ اس زمانہ مین قابل لوگ تجارت، صنعت، حرفت، اور علوم و فنون غرض تمام تمدنی شاخون مین نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کرتے جاتے ہین، اور جو لوگ اتنی قابلیت نہین رکھتے ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہین رہتا، کہ معمولی مشاغل زندگی کو ذریعہ معاش بنائین، اور اپنے نتائج اعمال کو نہایت ارزان قیمت پر بازار مین فروخت کرین، لیکن اس میدان مین بھی ان کو قابل لوگون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ قابل لوگ بھی جب اپنی قابلیت کے میدان مین دوڑنے کی گنجائش نہین پاتے، تو مجبوراً معمولی درجہ کے مشاغل اختیار کرنے پر راضی ہوجاتے ہین اسلئے اس بدبخت گروہ کو ناقابل لوگون کے ساتھ قابل لوگون سے بھی نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مقابلہ کی کشمکش مین اس قدر شدت پیدا ہوجاتی ہے، اور اس گروہ کو اپنے عمل کی قیمت اس قدر گھٹانی

پڑتی ہے، کہ قریب قریب فاقہ کشی کی نوبت آجاتی ہے،

بازارون مین معمولی استعمال کی جو ارزان چیزین فروخت ہوتی ہین، معمولی دوکانون مین اندھے لنگڑے، لولے اور اپاہج، جو کام کرتے ہین، عورتین گھر کے کام کاج کو چھوڑ کر سلائی وغیرہ کا جو کام کرتی ہین، وہ سب اسی بدبختی کا نتیجہ ہین، اور یہ تمام لوگ اسی مقابلہ کے شکست خوردہ ہین،

اخلاقی حیثیت سے بے شبہہ اس بدبخت گروہ کی حالت قابل رحم ہے، لیکن آخر اس کا علاج کیا ہے؟ کیا اس پر سرمایہ دارون کو لعنت ملامت کیجا سکتی ہے؟ لیکن یہ غریب تو ان سے بھی زیادہ مستحق رحم ہین، اگر وہ اس گروہ کی اجرت مین اضافہ کردین، تو ان کو ان چیزون کی قیمت مین بھی اضافہ کرنا پڑیگا، جن کو یہ گروہ تیار کرتا ہے، لیکن مزدورون کے ساتھ خود تاجرون مین بھی مقابلہ کی کشمکش جاری ہے، اس لئے خریدارون کو دوسری دوکانون مین بھی چیزین ارزان قیمت پر مل سکتی ہین، اور اس حالت مین کوئی شخص ایک دوسرے تاجر کی دوکان پر ان چیزون کو اس لئے زیادہ قیمت دیکر خریدنا گوارا نہ کریگا، کہ وہ ایک بدبخت گروہ کے رحم مین شریک ہورہا ہے، اب صرف یہ چارہ کار اور باقی رہجاتا ہے کہ تمام سرمایہ دار متفقہ طور پر مزدوری کی شرح مین اضافہ کرین، لیکن اس حالت مین بھی ان مشکلات کا خاتمہ نہین ہوتا، کیونکہ اس زمانے مین تجارتی مقابلہ نہایت عالمگیر ہوگیا ہے، اس لئے جب بیرونی ممالک کو اسکی خبر ہوگی تو وہ اس قسم کی ارزان چیزون سے بازارون کو بھر دینگے اور ان بدبخت مزدورون کی بدبختی مین اور بھی اضافہ ہوجائیگا

ان تمام تدابیر سے عاجز آکر اس قسم کے مزدورون نے اپنی اجرت متعین کرائی، اور بڑے بڑے شہرون کی میونسپلٹیون نے رزولیوشن پاس کردیا کہ کوئی سرمایہ دار عام اور معمولی کامون کو اس سے کم اجرت پر نہین لے سکتا، لیکن اس حالت مین بھی سرمایہ دارون نے فائدہ اٹھایا، اور اس قسم کے مزدورون کو نفع سے زیادہ نقصان پہونچا، کیونکہ جن چیزون کے بنانے کے لئے باہر اور

تجربہ کار کاریگرون کی ضرورت تھی اُن کے متعلق تو سرمایہ دارون نے تحدید اجرت کے قانون
تسلیم کرلیا، لیکن جن صنعتون کے لئے ماہر اور تجربہ کار کاریگر ضروری نہ تھے ان کے متعلق اس
کو اس طرح بے کار کردیا کہ صرف قابل، محنتی اور تجربہ کار کاریگرون کو تو رکھ لیا، بقیہ تین چوتھائی
کو کارخانے سے نکال دیا، اب ان کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا، کہ خود اپنے گھر مین اس
کی معمولی چیزون کو تیار کرین، لیکن چونکہ ان کے خریدار بھی سرمایہ دار ہی ہوتے تھے، اس لئے
نے اپنی خواہش کے مطابق ان کا نرخ مقرر کیا، اس کے ساتھ خود ان کاریگرون مین مقابلہ
ہوا، اور اس مقابلہ مین قیمت گھٹ کر پہلے سے نصف ہوگئی، اور معمولی قابلیت کا جو کاریگر
مین سات آٹھ فرنک روزانہ کماتا تھا، وہ اپنے گھر مین صرف چار یا پانچ فرنک کمانے لگا،
تحدید اجرت کی حالت مین بھی سرمایہ دارون نے سوشیالسٹون کے پنجہ سے آزادی حاصل
کی تدبیر نکال کی اور خود مزدورون کو بھی معلوم ہوگیا کہ قانون ونظام سے اقتصادی ضرور
مین کسی قسم کا تغیر وتبدل نہین پیدا کیا جاسکتا،

اس حالت کو دیکھکر موسیو دورزیہ نے فرمایا ہے کہ:۔

"مزدور کو اپنی ذاتی قیمت سے کوئی چیز بے نیاز نہین کرسکتی"

اور واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیونکہ موجودہ زمانے کے اقتصادی من
مین جب خود قابل لوگ ہمیشہ کامیاب نہین ہوتے تو ناقابل لوگ تو لازمی طور پر ہمیشہ ناکام
رہین گے، اب پھر وہی تنازع للبقا، اور انتخاب طبعی کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اور مجبوراً یہ تسلیم
پڑتا ہے کہ اس مقابلہ مین صرف طاقتور اور قابل لوگ تو فائدہ اٹھائین گے، اور ناقابل لوگ
کو ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑیگا، یہی وجہ ہے کہ سوشیالسٹ گروہ قابلیت کو ایک لغو چیز
دیکر اس سنگ گران کو راستے سے ہٹادینا چاہتا ہے، لیکن وہ ایک طبعی قانون کو کیونکر

نظرانداز کرسکتا ہے، جو ایک طرف تو مشرق ومغرب کے درمیان تجارتی مقابلہ ہورہا ہے، دوسری طرف
خود مغربی قومین باہم اس میدان مین معرکہ آرا ہین، اس لئے مقابلہ کا قانون ہر جگہ نافذ ہے، اور جو چیز
اس کے نفاذ مین رکاوٹ پیدا کرتی ہے، وہ اس کو اور بھی سخت بنا دیتی ہے، مثلاً حکومت کی طرف سے
ایک شہر کی اصلاح کے لئے ایک انجنیر مقرر کیا گیا، اس کے لئے بجٹ مین ایک رقم مقرر کی گئی، اور
خود انجنیر کو اس شرط پر ملازمون کے مقرر کرنے کا اختیار دیدیا گیا کہ بجٹ کی منظور شدہ رقم سے زیادہ
روپیہ صرف نہ ہونے پائے، لیکن چونکہ ملازمون کی تعداد زیادہ اور روپیہ کی تعداد کم تھی اس لئے انجنیر نے
ابتدا مین اس رقم کو سب پر برابر برابر تقسیم کردیا، لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوا، کہ کام بہت آہستہ
آہستہ چل رہا ہے، اس لئے اس نے اس طریقہ کو بدل کر یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص جتنا کام کرے گا
اس کو اتنی ہی اجرت ملے گی، چنانچہ چند ہی دنون مین قابل اور تجربہ کار مزدور تین چار مزدورون
کے برابر کام کرنے اور پہلے سے تگنا کمانے لگے، لیکن ناقابل مزدور سد رمق سے بھی محروم رہنے لگے
اور مجبوراً ان کو کام چھوڑنا پڑا، اور جو رقم پہلے بہ مشکل کافی ہوتی تھی، اس مین دو ہی سال کے اندر
خرچ سے زائد ۳۰ فی صدی کا اضافہ ہوگیا،

باہمی مقابلہ کا یہ لازمی نتیجہ خزانہ اور ترقی دونون کی نشوونما کے لئے جس قدر موزون ہے
اسی قدر اس سے نالائق لوگون کی بدبختی مین اضافہ ہوتا ہے، خود سوشیالسٹ گروہ اس مسئلہ کی پیچیدگی
کو محسوس کرتا ہے، لیکن اس کے حل کرنے کی کوئی تدبیر نہین بتاتا بلکہ اسی رٹے ہوئے فقرے کا
اعادہ کرتا ہے، کہ "موجودہ تمدن کو بدل دیا جائے" چنانچہ ایک اٹالین سوشیالسٹ لکھتا ہے:۔

"سرمایہ داری کے اصول پر جو نظام قایم ہے، اس نے بیکار مزدورون کی ایک فوج
گران تیار کردی ہے، اس لئے اس نظام کا فرض ہے کہ اصول انصاف کے مطابق
اس فوج کا کفیل ہو، اور یہ فرض اس گروہ کے بڑھ جانے سے جیسا کہ گسٹادلی بان کو خطر

ہے ساقط نہین ہوجاتا، بلکہ اس اضافہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ نظام اجتماعی

برا ہے، جس کا بدلنا ضروری ہے"

فیوچی، چانڈوباز، اور شراب خوار بھی اسی بدبخت گروہ مین شامل ہین، اور اس بدبختی مین اگر

اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے کہ اس قسم کے لوگ بکثرت اولاد پیدا کرتے ہین، کیونکہ یہ مشاہدۃً ثابت ہوگی

ہے، کہ موجودہ تمدن مین پست ترین عناصر کو زیادہ تر نشو ونما حاصل ہوتی ہی،

ان عادات خبیثہ مین شراب خواری زیادہ عام ہورہی ہے، اور سب سے زیادہ افسوس ناک بات

یہ ہے کہ اس کے عادی زیادہ تر غربا و مساکین ہی ہوتے ہین، قدیم زمانہ مین عبادت خانے ان

لوگون کا ماویٰ و ملجا ہوتے تھے، لیکن اب یہ لوگ شراب خانون مین جاکر دل بہلاتے ہین،

اس قسم کے لوگ اگرچہ بذات خود تمدن کے لئے ایک خطرناک مصیبت ہین، لیکن یہ خطرہ اور

اور بڑھ جاتا ہے، کہ ان کا یہ انحطاط وراثۃً ان کی اولاد مین بھی سرایت کرجاتا ہے، اس لئے وہ مستقبل

کے لئے بھی ایک مصیبت بن جاتے ہین، چنانچہ موسیو (شیرا) لکھتے ہین:-

"لوگ کمزور بچون اور لاغر و ذلیل آدمیون کی پرورش کرتے ہین، ان کی درازی عمر

کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہین، اور اس کو بہت بڑی اجتماعی ترقی خیال کرتے ہین، لیکن یہ

ایک تمسخر انگیز بات ہے، کیونکہ یہ توجہ جو مردم شماری مین غیر معمولی اضافہ کردیتی ہے تندرست

اور طاقتور لوگ نہین پیدا کرتی، بلکہ یہ لوگ اپنے جسم مین فاسد موروثی خون رکھتے ہین، اور

چونکہ ہمارے قوانین ان کو نکاح کرنے سے روک نہین سکتے، اس لئے یہ لوگ اپنا زہریلا اثر

اپنی اولاد تک پہونچاتے ہین، جس سے صحت عامہ کو نقصان پہونچتا ہے، اور تمام قوم غبار

آلود ہوجاتی ہے"

ڈاکٹر (سالوموں) نے ایک خاندان کا قصہ لکھا ہے، جسمین بارہ لڑکے تھے، اور سب کے سب مرگی

اور سل مین مبتلا تھے، کیونکہ ان کا باپ شرابی تھا، اور ماں مرگی مین مبتلا تھی، اس کے بعد انھون نے یہ

سوال کیا ہے:-

"اس لاغر نسل سے کیا حاصل؟ اور اس قسم کے خاندان، تمدن اور عدالتہائے فوجداری

پر کس قدر بار ہین، ایک شرابی کا لڑکا یا تو شفاخانے کا رکن ہوسکتا ہے، یا پھانسی کا شکار

اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آیندہ تمدن کی بنیاد شفاخانے اور پولیس کی کثرت

پر قایم ہوگی، اگر کثرت تناسل ان لوگون کی خصوصیت ہے، جنکو بانجھ رہنا چاہئے، تو تمدن

کو ہلاکت کا مژدہ"

ڈارون لکھتا ہے:-

"وحشی لوگ ضعیف العقل اور ضعیف القویٰ لوگون کو فوراً ہلاک کردیتے ہین، اس لئے

جو لوگ بچ جاتے ہین وہ نہایت تندرست ہوتے ہین، لیکن ہم بیوقوفون، عاجزون،

اور مریضون کے لئے جاے پناہ بناتے ہین، محتاجون کی اعانت کے لئے قانون وضع

کرتے ہین، اور ہمارے اطبا ان کی عمر بڑھانے کے لئے اپنی تمام حذاقت صرف کردیتے

ہین، بے شبہہ چیچک کے ٹیکے نے ہزارون کمزور آدمیون کو چیچک سے محفوظ رکھا ہے،

لیکن جو شخص پالو جانورون کی تولید مین مصروف رہتا ہے، وہ یہ جانتا ہے کہ اس سے

نوع بشری کو کس قدر ضرر پہونچے گا"

ڈاکٹر (موریس دوفلوری) فرماتے ہین:-

"ہم باشندگان اسپارٹا پر یہ الزام لگاتے ہین، کہ وہ بدخلقت، ضعیف الجسم، اور

ضعیف الروح بچون کو ڈبو دیتے تھے، لیکن بیسر کے شفاخانے مین جب مین نے وہ

مقام دیکھا جہان ڈاکٹر (بورنفیل) اس قسم کے بچون کی پرورش کرتے ہین، تو مین نے

اپنے آپ کو احمقون اور اپاہجون کے ایک گلے کے سامنے پایا اور مین نے یہ آرزو کی
کہ اے کاش یہ لوگ ابھی مرجاتے"

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے ان کے جسمانی، عقلی اور اخلاقی ضعف کی تصویر کھینچی ہے، اور بتایا ہے کہ یہ سب کے سب شرابیون کے بچے تھے، سوشیالسٹ فوج کا یہ دوسرا دستہ ہے جو طبعی طور پر تیار ہوتا ہے، لیکن ان کے علاوہ اس فوج کا ایک اور دستہ بھی ہے، جو مصنوعی طور پر ہمارے اسکولون کالجون اور یونیورسٹیون مین پیدا ہوتا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ وہ ایک دن تمدن کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہوجائے،

یہ مصنوعی گروہ بالکل دورِ جدید کی پیداوار ہے، جس کو موجودہ اصولِ تمدن نے پیدا کیا ہی کیونکہ قدیم زمانہ مین طلبا و مدرسین کو کوئی اجتماعی وقعت و اہمیت حاصل نہ تھی، لیکن اس زمانہ کا نہایت موثر تمدنی اصول "افضلیت" ہے، اور ہماری تعلیم گاہین نظری تعلیم کے ذریعہ سے طلبا و مدرسین کو نہایت آسانی کے ساتھ افضل الناس بنادیتی ہین، اس لئے جو گروہ زمانہ قدیم مین کسی قدر حقارت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا، وہ دفعۃً دورِ جدید کا صنم اعظم بن گیا ہے، اور تعلیم ہر اجتماعی مرض کی دوا خیال کی جانے لگی ہے، لیکن تعلیم کا موجودہ طریقہ انسان کی زندگی کو دورِ جدید کی ضرورتون کے لئے بالکل موزون نہین بناتا، بلکہ عاجز، درماندہ، اور پست اخلاق یعنی سرکش باغیون کی ایک جماعت کو تیار کرتا ہے، کیونکہ موجودہ طریقہ تعلیم طلبا، کو سرکاری ملازمت کے سوا اور کسی پیشہ کے قابل نہین بناتا، اس لئے یہ لوگ سرکاری ملازمتون پر جوق درجوق گرتے ہین، لیکن چونکہ ملازمتین کم اور امیدوارون کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اس لئے تعلیم یافتہ گروہ کا اکثر حصہ بیکاری کی زندگی بسر کرتا ہے، اور اس طرح باغیون کی ایک جماعت ہر سال تیار ہوتی رہتی ہے،

جن لوگون کو سرکاری ملازمتین مل جاتی ہین، ان کی حالت بھی بہت زیادہ قابلِ رشک نہین

ہوتی، بلکہ ایک متوسط درجے کے جفاکش قابل مزدور کی مالی حالت ان سے بہتر ہوتی ہے لیکن باایں ہمہ یہ گروہ صناعت، زراعت اور تجارت کی طرف اس لئے رخ نہین کرسکتا کہ نظری تعلیم اس کو کسی دوسرے پیشے کے قابل ہی نہین بناتی، البتہ وہ کسی کارخانے مین رہکر ان پیشون کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن چونکہ یہ پیشے ذلیل خیال کئے جاتے ہین اس لئے وہ اس ذلت کو گوارا نہین کرتا،

بڑے مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہی گروہ جمہوریت، اخوت، اور مساوات کا خواستگار ہوتا ہے، لیکن باایں ہمہ اخوت و مساوات وہ مزدورون کاشتکارون اور کاریگرون کو چشمِ حقارت سے دیکھتا ہے، اور ایک ادنی کلرک اور معمولی محرر بھی اپنے آپ کو ان سے برتر خیال کرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دماغی اور مالی حیثیت سے تو ان کو ایک ماہر فن کاریگر اور جفاکش مزدور پر کوئی تفوق حاصل نہین ہوتا، البتہ ان کو صرف یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ یہ لوگ پھٹا پرانا کوٹ پہنتے ہین، اور کاریگر اور مزدور معمولی قیمت کی قمیص پہن کر اپنا کام انجام دیتے ہین، بظاہر تو یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن بے کار وکیلون کے گروہ نے سیکڑون سال مین جو قوانین بنائے ہین، کوٹ اور قمیص کا یہ امتیازی فرق ان سے بہت زیادہ موثر ہے، اگر کسی طریقہ سے اس فرق کو مٹا دیا جائے تو ہماری زندگی مین عظیم الشان انقلاب پیدا ہوسکتا ہے،

یہ کم بینی آگے چل کر اور بھی زیادہ مضر ثابت ہوگی، کیونکہ ایک مزدور کو جب یہ محسوس ہوگا کہ اس کا پیشہ چشمِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے، تو لامحالہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے اسکول اور کالج مین داخل کردیگا، اور وہ بھی اسی قسم کی تعلیم حاصل کرکے اسی بے کار گروہ مین شامل ہوجائین گے، اور سوشیالسٹ فوج مین غیر معمولی ترقی ہوجائیگی، اور اس کا جو سیاسی نتیجہ ہوگا اس کی طرف مورخ اعظم (ماکولی) نے ایک خط مین اس طرح اشارہ کیا ہے :-

"وہ دن قریب آنے والا ہے جب نیویارک مین بہت سے لوگون کو شام وصبح کی خشک غذا بغیر مکھن کے ملے گی، حالانکہ ان لوگون کو مجالس نیابتہ مین شرکت کا حق حاصل ہوگا لیکن ان مجالس کے خصوصیات مین کسی شک کی گنجایش ہے؟ ان مین ایک طرف تو ایک سیاسی مدبر صبر حفاظت حقوق، اور وفاے عہد کی نصیحت کریگا، دوسری طرف ایک قوم پرور شخص سرمایہ دارون اور سود خوارون کو گالیان دیگا، اور یہ سوال کریگا کہ بعض لوگ کس حق سے شامپین پیتے ہین اور گاڑیون مین سوار ہوتے ہین، ؟ اور دوسرے آدمی کو معمولی کھانا بھی نہین ملتا، مجھے خوف ہے کہ ان حالات مین دو باتون مین سے ایک بات ضرور ہوگی، یا تو قیصر یا نپولین جیسا مستبد شخص عنان حکومت کو اپنے آہنی ہاتھون مین لے گا، یا تمھاری جمہوریت پر بیسوین صدی کے وحشی اسی طرح غارتگری کرین گے جس طرح پانچوین صدی کے وحشیون نے رومن شاہنشاہی کو لوٹ لیا تھا، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ یہ لوگ روما مین باہر سے آئے تھے، لیکن جو لوگ تم کو لوٹین گے وہ تمھین مین سے ہون گے اور تمھارے ہی نظام سیاست سے مدد لیکر اپنا کام انجام دین گے"

اس کے بعد (ماکولی) نے اس خط کو ان الفاظ مین ختم کیا ہے:-

"میرا اعتقاد یہ ہے کہ خالص جمہوری نظام صرف اس لئے قایم کیا گیا ہو کہ پہلے آزادی کا پھر تمدن کا یا ان دونون کا خاتمہ کردے"

امریکہ کی طرح یورپ مین بھی یہ خطرناک گروہ بڑھ رہا ہے، اور کچھ دنون مین سوشیالزم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر ایک نہایت خون ریز جنگ برپا کردیگا، اس لئے اس سیلاب کے روکنے کی تدابیر پر غور کرنا چاہئے، اور اب تک اس کی جو تدبیرین بتائی گئی ہین ان مین ایک نہایت

عام تدبیر تو یہ ہے کہ افراد قوم صدقات وخیرات سے اس فاقہ مست گروہ کی اعانت کرین اور حکومت بھی ان کی معین ومددگار ہو، لیکن ایک مدت کے تجربہ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ طریقہ ابتدا مین تو ناکافی ہوگا، اور اخیر مین خطرناک نتایج پیدا کریگا، کیونکہ اس حالت مین بہت سے کاہل لوگ اس گروہ مین شامل ہوکر اس کی تعداد مین اور بھی اضافہ کردین گے، کیونکہ جس قدر فقرا ومساکین کی اعانت کا سامان کیا جاتا ہے، اسی قدر ان کی تعداد مین اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ پیرس کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤن ہے، جس کے آدھے باشندے اسی قسم کی قومی اعانت پر زندگی بسر کرتے ہین، اور زیادہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ فرانس مین اس قسم کے جو لوگ اعانت وامداد پر زندگی بسر کر رہے ہین ان مین ۹۵ فی صدی کام کرنے سے انکار کرتے ہین، ان کو بیکاری کی تو بڑی شکایت رہتی ہے، لیکن ان مین سے ایکبار ۲۷ آدمیون کو کام پر لگایا گیا، تو صرف اٹھارہ آدمیون نے کام کیا، اور چار فرنک روزانہ کے حساب سے ان کو اجرت ملی،

فرانس مین فاقہ زدگی کی تحقیقاتی رپورٹ مین (واتفیل) نے لکھا ہے کہ:-

"جب سے یعنی ساٹھ سال سے جو خیراتی نظام قایم کیا گیا ہے، اس نے کسی محتاج کو تکلیف سے نجات نہین دلائی بلکہ یہ نظام زیادہ تر احتیاج کو ایک موروثی چیز بنادیتا ہے، کیونکہ ۱۸۳۰ء مین جو لوگ اس نظام کے ماتحت پرورش پا رہے تھے آج ان کے پوتون کا نام بھی درج رجسٹر ہے اور ۱۸۳۰ء مین جن لوگون کے نام درج رجسٹر تھے آج ان کے لڑکون کے نام بھی درج رجسٹر ہین"

اگرچہ سوشیالسٹ گروہ بذات خود اس قدر خوددار ہے کہ وہ اس ننگ وعار کو گوارا نہین کرتا بلکہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو لوگ بیکار ہین یا کام کرنے کی خواہش رکھتے ہین، حکومت کو خود ان کے لئے کام کے ذرایع مہیا کرنے چاہئین، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ ممکن ہے بھی یا نہین؟

پیرس مین اس اصول کے مطابق چند قومی کارخانے کھولے گئے اور ۱۸۹۱ء تک ۱۰۰۰ ہم مزدور روزانہ دو فرنک اجرت پر اس مین کام کرنے لگے، لیکن ان کے کام کرنے کی حالت یہ تھی کہ ایک ۱۰ بجے آتے تھے اور تین بجے واپس جاتے تھے، اور اس درمیان مین صرف شراب پیتے اور تاش کھیلتے تھے، جن کی زیرنگرانی ان سے کام لیا جاتا تھا، ان سے بازپرس کیجاتی تھی تو جواب ملتا تھا کہ یہ لوگ احکام کی تعمیل کی طاقت ہی نہین رکھتے،

۱۹۰۸ء تک فرانس کے وطنی کارخانون کی یہی حالت رہی، اس لئے مجبوراً ان کو بند کرنا پڑا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کام کرنے کا حق بھی انھین لوگون کو حاصل ہونا چاہئے، جو کام کرنے کی طاقت رکھتے ہین،

دیوان میرزا کامران

مرتبہ مولوی محمد محفوظ الحق، ایم اے لکچرار عربی و فارسی، پریسیڈنسی کالج کلکتہ

دیوان کامران کا صرف ایک نسخہ پٹنہ مین محفوظ ہے جو خود کامران کی حیات مین لکھا گیا تھا، اس پر جہانگیر و شاہجہان کے ہاتھ کی تحریرین اور سلاطین و امرائے مغلیہ کی مہرین موجود ہین، یہ دیوان اسی نسخہ سے چھاپا گیا ہے، مرتب نے ایک مقدمہ لکھا ہے، جسمین کامران کے سوانح، بذلہ سنجی، بدیہہ گوئی اور شاعری پر تبصرہ ہے، کامران کے وہ اشعار جو اس قلمی دیوان مین موجود نہین، مرتب نے بیسیون تذکرون، تاریخون اور بیاضون کی ورق گردانی کے بعد جمع کئے ہین، اس کتاب مین بلاک کی چار تصویرین دیگئی ہین جنمین بابر، ہمایون، جہانگیر اور شاہجہان کی تحریرون کے عکس ہین، انکے علاوہ مشہور ایرانی خطاط خواجہ محمود شہابی (کاتب دیوان کامران) کی تحریر کا بھی عکس دیا گیا ہے، اردو دیباچہ کا خلاصہ انگریزی زبان مین دیا گیا ہے، کتابت طباعت بہترین ہے، کاغذ اعلیٰ قسم کا لگایا گیا ہے، قیمت ۶عہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی)

تلخیص و تبصرہ

مرہٹون کا فوجی نظام

اور

اُس کے عروج و زوال کے اسباب

مرہٹون کے فوجی نظام اور اُس کے عروج و زوال کے اسباب پر مرہٹون کے مشہور بنگالی مورخ ڈاکٹر سین نے ایک عمدہ کتاب انگریزی زبان مین لکھی ہے، اور ۱۹۲۸ء مین بک کمپنی کلکتہ نے اسکو شایع کیا ہے، اور "بلٹین آف دی اورنیل اسٹڈیز لندن انسٹی ٹیوشن" کی جلد ۵ حصہ ہم مین مسٹر والسلے ہیگ نے اس پر ایک مختصر تبصرہ لکھا ہے جس سے کتاب مذکور کے متعلق کسی قدر واقفیت ہوجاتی ہے،

تبصرہ نگار نے ڈاکٹر سین کی تمام تصانیف مین انکی اس کتاب کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے، اور اس کو نہایت پر معلومات بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ مصنف نے اس کتاب مین سیواجی کے فوجی نظام اور اس کے ارتقا اور سقوط پر پوری فاضلانہ بحث کی ہے، اور اسی کے ضمن مین مرہٹہ حکومت کے بہت سے اصول کی تشریح کی ہے، اور ساتھ ہی مرہٹون کے فوجی تخیل اور نصب العین پر جو معاشرتی اور سیاسی اثرات پڑے ان کی بھی تفصیل کی ہے،

مرہٹونکے اصول حکمرانی کا سب سے کھلا طریقہ یہ تھا کہ وہ فوج لیکر نہایت بے خبری مین کسی ملک، صوبہ، یا شہر پر چڑھ دوڑتے تھے، اور ان سے چوتھ یعنی آمدنی اور مال کا چوتھا حصہ سالانہ مانگتے تھے، اگر وہ ان کو مل جاتا تھا، تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے، ورنہ اس کو لوٹ لیتے تھے، مصنف نے چوتھ اور سردیشمکھی

کے اصول پر ایک مستقل باب لکھا ہے، اور دکھلایا ہے، کہ شیواجی نے پہلے چوتھ کا قاعدہ دشمنون پر ایک خراج کی حیثیت سے لگایا تھا، اور اُس کے بعد اُس کے جانشینون کے عہد مین اس ملک یا شہر کی طرف سے حکومت کی ان فوجی خدمتون کے صلہ مین معاوضہ کی صورت مین وصول ہوتا تھا، جو اس ملک یا شہر کی حفاظت مین انجام دیجاتی تھین یا جنکا اس سے وعدہ کیا جاتا تھا،

ڈاکٹر سین کا یہ بیان و تشریح اگر درست ہے، تو "ہندو کش عالمگیر" کے اس "قابل نفرت جزیہ" مین کیا برائی تھی جو صرف تین ساڑھے تین روپیہ کے حساب سے ہر اس غیر مسلم سے وصول کیا جاتا تھا جو روزی کما سکتا ہو، اور جس سے بچے، بوڑھے، عورتین، معذور، اور مذہبی پیشوا مستثنیٰ تھے اور جس کی حیثیت چوتھ کے ظالمانہ دست برد سے بالکل بری تھی،

ڈاکٹر سین کے بیان کے مطابق سیواجی کی جدوجہد اور قیام حکومت کا تمامتر منشا مغلون کو نکال کر صرف ہندوؤن کی نہین بلکہ مرہٹون کی ایک حکومت قایم کرنا تھا، پیشواؤن نے شیواجی کے اس خواب کو ناقابل تعبیر پاکر اپنا مقصد ایک ہندو سلطنت کا قیام قرار دیا، لیکن راجپوت اور مرہٹے دونون متفق نہ ہو سکے، اس لئے بالآخر ان کو اپنی قوت کا مقصد یہ قرار دینا پڑا کہ مسلمانون کے دربار مین اپنے نفوذ و اقتدار سے فائدہ اٹھائین،

کتاب کا ایک باب مرہٹون کے صوبہ دارانہ خود مختاری یا جاگیرداریون کے طریقۂ حکومت (فیوڈل سسٹم) پر ہے، اور جو مصنف کے نزدیک مرہٹہ حکومت کے زوال کا سب سے پہلا سبب ہے، اور جس کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ شیواجی کے پوتے ساہو نے انگریا اور بالاجی، وشوا ناتھ کو جاگیرین عطا کین اور ہر ایک کے ذمہ جاگیرداری کے اصول پر فوج رکھنا اور فوج سے مدد کرنا لازم کیا، اور انجام اس پر ہوا کہ مرہٹون کا لشکر جاگیر دارون کی فوجون اور دوسری تنخواہ دار غیر قومی فوجون پر مشتمل ہونے لگا، جنمین سکھ، راجپوت کنٹری، روہیلے، پٹھان، عرب، حبشی، اور یوروپین شامل تھے، یہ فوجی نظام ترکیب مرہٹہ حکومت کے زوال

مین جاگیردارانہ اصول حکمرانی سے زیادہ موثر سبب ثابت ہوا،

مرہٹہ سوارون پیادون اور توپخانون پر مصنف کا بیان نہایت مفید ہے، شیواجی کا آخری خط مدافعت ہمیشہ اس کے پہاڑی قلعے تھے، جو اپنی جائے وقوع اور سروسامان کے لحاظ سے ناقابل فسخ تھے، اور مصنف کے بیان کے مطابق بادشاہی فوج مرہٹون کے کسی قلعہ کو لڑکر بمشکل فتح کر سکی، زیادہ تر افسرون کو رشوت دیکر فتح کیا گیا،

مرہٹہ توپخانون کے متعلق مصنف کا یہ خیال تبصرہ نگار کے نزدیک بالکل صحیح ہے، کہ علمی ہتھیار اس علم وفن مین کمال حاصل کئے بغیر بے ذہانت کی محض نقالی سے شاید ہی کامیابی کی منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے، "مرہٹہ توپخانون کی بالکل یہی حالت تھی مرہٹون کا طریقۂ جنگ اہل یورپ کے طریقۂ جنگ سے بالکل الگ تھا، اسی لئے دیسی فوجون کو یوروپین طریقہ پر تیار کرنے کی کوشش کرنا بھی اسی طرح مرہٹون کی غلطی قرار دیجا سکتی ہے، کہ اس طریقۂ جنگ کے مطابق تیار شدہ سپاہیون کی لڑائی کا طریقہ مرہٹون کے پرانے اصول جنگ سے کوئی نسبت نہین رکھتا تھا، باینہمہ مرہٹہ سردارون نے اسکی کوشش کی کہ نئے اور پرانے طریق جنگ کو باہم ملا دین" اور ڈاکٹر سین کا خیال ہے کہ یہی دو عملی طریق جنگ پانی پت اور اس کے بعد اسایا مین مرہٹون کے فوجی زوال کا باعث ہوا

ڈاکٹر سین نے سمبھاجی کی ذات پر مرہٹون کے فوجی زوال کی ذمہ داری کا کوئی حصہ نہین ڈالا ہے حالانکہ اسی کے عہد مین مرہٹون کی فوج سے ضبط اور تنظیم زائل ہوئی، یہی تھا جس نے مرہٹہ فوج کے ساتھ میدان جنگ مین عورتون کے رہنے اور مفتوحہ شہرون سے عورتون کے لوٹ کر لیجانے اور فروخت کرنے کی اجازت دی،

شیواجی کے تحت مرہٹون کے کارخانہ جہازات پر بھی ۵ صفحے ہین جنمین انکی بحری طاقت کے آغاز پھر ترقی اور پیشواؤن کے زمانہ مین زوال کا تذکرہ ہے،

آخر مین مرہٹون کی قوت کے زوال کے اسباب کا اظہار خلاصہ بحث کے طریقہ سے اس طرح کیا گیا ہے،

"حکومت ایک قومی خودمختاری کی شہنشاہی سے جاگیرداروں کی ریاستوں کا مجموعہ بن گئی، فوج ایک منتظم قومی طاقت سے ایک غیر منضبط تنخواہ دار گروہ ہوگیا، اور فوج کے سردار سادہ مزاج محنتی سپاہیوں سے عیش پسند راحت طلب بن گئے، اسکا ایک ہی نتیجہ ہوسکتا تھا یعنی مرہٹون کا عام زوال! اور وہ ہوکر رہا، "س"

انتارکتکا

قطب جنوبی مین ایک نیا براعظم

آج سے کچھ دنون پہلے دنیا کے نقشے مین صرف چھ براعظم یعنی ایشیا، افریقہ، یورپ، شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ، اور اسٹریلیا، نظر آتے تھے، لیکن اب ان مین ایک اور جدید براعظم کا اضافہ ہوا ہے، جس کو علمائے جغرافیہ "انتارکتکا" کے نام سے موسوم کرتے ہین،

یہ جدید براعظم جو قطب جنوبی کے مستور الحال گوشون مین واقع ہے، اٹھارہوین صدی کے ربع آخر تک بالکل نامعلوم تھا، اگرچہ بحر ابیض متوسط کے ملاح نئے نئے ملکون کی جستجو مین برابر مصروف تھے تاہم وہ اس کا سراغ نہ لگا سکے، لیکن بایں ہمہ علمائے جغرافیہ کو یقین تھا کہ قطب جنوبی کے پاس نہایت وسیع ممالک موجود ہین، بلکہ ان کا اعتقاد یہان تک تھا کہ وہان ایک براعظم بھی موجود ہے، جو قطب جنوبی سے مناطق معتدلہ تک پھیلا ہوا ہے، اس بنا پر سب سے پہلے اس براعظم کے معلوم کرنے کے لئے جیمس کوک نے دو عظیم الشان سفر کئے، اور ان مین سردی اور برف سے سخت تکلیفین اٹھائین، لیکن اس کو اس براعظم کا پتہ نہ مل سکا، اور اگر وہ بالفرض موجود بھی ہوتا تو اس کے نزدیک موسمی اور طبعی اثرات سے انسانی اور حیوانی زندگی کی صلاحیت نہین رکھ سکتا تھا، بایں ہمہ کوک نے اثنائے سفر مین دائرۂ قطب جنوبی سے باہر متعدد جزیرون کا پتہ لگایا، اور دریائی گایون کے بہت سے گلے دیکھے، جن کے جسم پر نہایت گھنے

بال تھے، اس تحقیقات نے انگلستان کے پوستین کے تاجرون مین نہایت سرگرمی پیدا کردی اور ان لوگون نے ان پوستینون کی تلاش مین بہت سے قاصد روانہ کئے، اور درحقیقت یہی سرگرمی اس جدید براعظم کے انکشاف کا سبب بن گئی،

ان قاصدون مین سب سے زیادہ شہرت ایک امریکن ملاح نے حاصل کی جس کا نام کاٹبن تھا اس نے ۲۰ سال کی عمر مین اپنا سفر شروع کیا، اور قطب جنوبی کے سمندرون مین متعدد سفر کئے، اور متعدد جزیرون کا پتہ چلایا، پوستین کے اور بھی بہت سے تاجرون نے ان سمندرون کو عبور کیا، اور بعض نے متعدد جزیرون کا پتہ لگایا، لیکن "انتارکتکا" ان کی نگاہون سے بھی پوشیدہ رہا، اس کے بعد دورفیل فرانسیسی، ویلکینز امریکی، اور ایک انگریز راس نے اپنے سفر شروع کئے، اور بہت سے ممالک کا سراغ لگایا، بالخصوص راس تو "انتارکتکا" تک پہونچ گیا، اور بہت سے ایسے مقامات کا پتہ لگایا، جس نے جغرافیہ دانون کو حیرت مین ڈال دیا، غرض اس طرح قطب جنوبی کے اور بھی بہت سے سیاح پیدا ہوگئے، جنمین کاٹمن (انگلستان) جرلاش (بلجیم) امنڈسن (ناروے) زیادہ مشہور ہین، لیکن بایں ہمہ قطب جنوبی کی سیاحت کا اصلی زمانہ ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا، جب کہ کیپٹن اسکاٹ نے اس کا سفر کیا، اس سے پہلے علمائے جغرافیہ نے "انتارکتکا" کے چار حصے کئے تھے، اور ہر حصے کا نام اس براعظم کے نام پر رکھا تھا جو ان کے سامنے تھا، مثلاً اسٹریلیا، افریقہ، امریکہ، باسفکی، اور راس نے اسٹریلیا کے حصے کا سفر کیا تھا، اور کیپٹن اسکاٹ نے اسی کے نقش قدم پر اپنا سفر شروع کیا، اور باوجود سخت تکلیفین برداشت کرنے کے اس نے جن مقامات کا پتہ لگایا، وہ اس کے نزدیک حیوانی اور انسانی زندگی کے بسر کرنے کے قابل نہ تھے، لیکن اس کے چند سال بعد شاکلٹن نے جو سفر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ "انتارکتکا" کی یہ حالت نہین ہے، بلکہ وہ حیوانی اور انسانی زندگی کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے بعد امنڈسن نے اپنے سفر کا اعلان کیا اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو چار ہمراہیون کے ساتھ روانہ ہوا، اور اسی سال

۱۴ دسمبر کو قطب جنوبی تک پہونچ گیا، اور وہان ناروے کی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا، اس کا یہ سفر
جنوری ۱۹۱۲ء کو ختم ہوگیا، اور اس سفر کے ختم ہونے سے سات دن پہلے یہ خبرین آئین کہ کیپٹن
اسکاٹ قطب جنوبی تک پہونچ گیا، لیکن جب اس نے امنڈسن کی مہم کے آثار دیکھے تو سخت
مایوس ہوا، اور بدقسمتی سے پلٹتے وقت مع اپنے رفقار کے مرگیا، لیکن بایں ہمہ اگرچہ قطب جنوبی
تک امنڈسن سب سے پہلے پہونچا تاہم اسکاٹ کی یادداشتون سے جو علمی اور جغرافیانہ فائدہ
ہوا وہ امنڈسن کی تحقیقات سے حاصل نہ ہوسکا، اس کے بعد "انتارکتکا" کی تحقیقات کے لئے
بہت سی مہمین روانہ ہوئین، لیکن اس کے بعد تحقیقات کے اور بہت سے نئے ذرائع پیدا ہوگئے
ہوائی جہاز، لاسلکی، وغیرہ اور امریکن سیاح بیرڈ نے ہوائی جہاز کے ذریعہ سے قطب جنوبی کا
کیا اور "انتارکتکا" کی سراغرسانی کا سہرا اسی کے سر ہے، لیکن بایں ہمہ اس کی تحقیقات اب تک
مکمل نہین ہوئی ہے، ہم اس کے متعلق صرف اس قدر جانتے ہین کہ وہ ایک وسیع برفستانی
ہے، جو چارون طرف سے سمندرون سے گھرا ہوا ہے، اور موجودہ حالت مین حیوانی اور انسانی
زندگی کے بسر کرنے کے قابل نہین ہے، البتہ انسانون کو نئے نئے، ممالک کے آباد کرنے
کی ضرورت پیش آرہی ہے، اور یہ سوال آئندہ حل ہوسکے گا کہ وہ اس براعظم کو اپنی بود وباش کے
قابل بنا سکے گا یا نہین؟

توام بچے اور انکی عقلی و اخلاقی خصوصیات

توام اُن دو بچون کو کہتے ہین جو ماں کے پیٹ سے ایک ساتھ پیدا ہوتے ہین انسانون مین
اس قسم کے بچون کی دو قسمین ہین، طبعی اور متماثل، متماثل توام صرف صورت و شکل مین باہم مشابہ
نہین ہوتے بلکہ ان کے جذبات و احساسات مین بھی یکرنگی پائی جاتی ہے، اور اس یکرنگی کے متعلق

علما کے دو گروہ مختلف رائین رکھتے ہین، ایک گروہ اس کو ماحول یعنی مقامی حالات کا نتیجہ قرار دیتا ہے
اور دوسرے گروہ کے نزدیک موروثی اثرات اس کا سبب ہین، اور حال کے متعدد تجربات سے
اسی دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ

(۱) ایک جرمن عالم نے دو توام بچون کے متعلق یہ تجربہ کیا ہے کہ وہ پیدا ہونے کے تیسرے
سال ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنے لگے، اور ان کے درمیان کسی قسم کا تعلق باقی نہین رہا،
لیکن بایں ہمہ ان کے جذبات، خیالات، احساسات اور حرکات و سکنات مین بالکل یکرنگی پائی جاتی
تھی، اس نے صرف اسی ایک مثال پر قناعت نہین کی، بلکہ اس کو متعدد تجربات سے معلوم ہوا کہ اس
قسم کے توام بچے کتنی ہی دوری کے فاصلے پر رکھے جائین، لیکن ان کی ہر چیز مین مشابہت پائی جاتی
ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ ماحول کا نتیجہ نہین، بلکہ وراثت کا اثر ہے،

(۲) ایک اور جرمن عالم نے اس قسم کے ۲۶ توام بچون کا تجربہ کیا جو بالکل الگ الگ مقامات
مین رہتے تھے، تو معلوم ہوا کہ ان مین ۲۰ بچے مجرم نکلے، اور ایک ہی وقت مین ایک ہی قسم کے جرائم کئے
اور ان کو ایک ہی میعاد کی سزائین دی گئین، باقی ۶ بچون کا میلان جرائم کی طرف بالکل نہ تھا، کیونکہ ان کے
ماں باپ نہایت پابندِ قانون تھے، اس عالم کا یہ بھی تجربہ ہے کہ اس قسم کے توام بچے یا تو مرد ہوتے
ہین یا عورت ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ انکی جنسین مختلف ہون، یعنی ایک مرد ہو اور ایک عورت
جس کے معنی یہ ہین کہ ان کی جنس بھی مشابہ ہوتی ہے،

(۳) اس قسم کے دو بچے سو میل کی مسافت پر الگ الگ رہتے تھے، ایک کو دوسرے کے رہنے
کا مقام تک معلوم نہ تھا، اور ان مین باہم کسی قسم کی خط و کتابت بھی نہین تھی، لیکن بایں ہمہ ان دونون
نے اپنے کام کرنے کی جگہ ایک ہی دن چھوڑی، ایک ہی دن ایک ہی قسم کے آپریشن کے لئے ایک ہی
شفاخانے مین داخل ہوئے، اور ایک ہی دن شفایاب ہوکر شفاخانے سے نکلے،

(۴) یہ ایک انگریزی ڈاکٹر کا تجربہ ہے، اور اس نے ایک دوسرا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ اس قسم کے دوسرے دو بچے الگ الگ مقام مین باہم بے تعلق رہتے تھے، لیکن بایں ہمہ دونون چور نکلے اور ایک ہی بنک کی دو شاخون سے ایک ہی رات ایک ہی قسم کی رقمون کی چوریان کین، اور اس کے بعد بھی ایک ہی قسم کی رقمین ایک ہی تاریخون مین چرائین، سب سے آخر مین ایک ہی دن پولیس نے دونون کو گرفتار کیا، اور گرفتاری کے بعد معلوم ہوا کہ گرفتار ہونے سے کچھ پہلے دونون سخت درد سر مین مبتلا تھے جس کی وجہ سے بھاگنے سے مجبور تھے،

(۵) ایک انگریز پروفیسر نے اس قسم کے دو بچون کو دو مختلف مقامات یعنی ایک کو بڑے شہر مین اور دوسرے کو ایک گاؤن مین رکھا، اور دونون کو دو مختلف علوم کی تعلیم دینا شروع کی لیکن دونون بچے ان علوم سے وحشت کرنے لگے، اور سال کے اندر ہی اندر ان مین ضعف کے آثار محسوس ہونے لگے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کو جبراً الگ الگ مقامات مین رکھا گیا تھا،

(۶) اسی پروفیسر نے اس قسم کے دو بچون کے متعلق یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ دونون ایک ہی قسم کے مرض مین ایک ہی وقت مین مبتلا ہوتے تھے، اور ایک ہی وقت مین شفا پاتے تھے، ان کا ذوق بالکل متحد تھا، ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے تھے، ایک ہی قسم کا کپڑا پہنتے تھے، ایک ہی قسم کا کھیل کھیلتے تھے، اور چار برس زندہ رہ کر دونون نے ایک ہی دن انتقال کیا،

(۷) اسی قسم کی دو بہنون کے متعلق تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ذوق و میلان کے اتحاد کے ساتھ دونون ایک دوسرے کے خیالات کو بھی معلوم کر لیتی ہین، اول اول تو یہ خیال کیا گیا، کہ یہ کسی روحانی شعبدے کا نتیجہ ہے، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صرف وراثت کا اثر ہے جس نے دونون کے جذبات و احساسات مین اتحاد پیدا کر دیا ہے، اور اسی کے اثر سے دونون ایک دوسرے کے خیالات سے بھی واقف ہو جاتی ہین،

(۸) اسی قسم کے دو بچے ایک ہی مدرسہ مین تعلیم پاتے تھے، اور ان کے قوائے عقلیہ مین نہایت مشابہت پائی جاتی تھی، یہان تک کہ امتحانات کے پرچون مین دونون ایک ہی قسم کی غلطیان کرتے تھے، اور ایک ہی قسم کا صحیح جواب دیتے تھے، جس کی بنا پر بعض اساتذہ نے خیال کیا کہ دونون باہم نقل کرتے ہین، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ دونون ایک دوسرے سے الگ الگ بیٹھتے تھے،

اسی قسم کی اور بہت سی مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اتحاد و یکرنگی کا سبب صرف وراثت ہے، ماحول نہین،

"ع"

اخبارِ علمیہ

ایک جدید سیارے کا انکشاف

اٹھارہوین صدی تک علماے ہیئت کی تحقیق مین کل ۶ سیارے ایسے تھے جو آنکھون سے دیکھے جاسکتے تھے، ۱۷۸۱ء مین ایک انگریز ہیئت دان نے ایک اور سیارے کا سراغ لگایا، اور اس کا نام یورنیس رکھا گیا، پھر ۱۸۴۶ء مین ایک فرنچ ہیئت دان نے نیپچون کا بھی پتہ لگالیا جس کا ابتدائی سراغ کیمبرج کے ایک طالب العلم جان اڈمسن نے لگایا تھا، اس وقت سے آج تک نظام شمسی انھین سیارون سے مرکب سمجھا جاتا تھا، جن کے نام اور سورج سے ان کی متوسط مسافت کی تفصیل حسب ذیل ہے،

عطارد	سورج سے اس کی متوسط مسافت کا بعد			۳۶،۰۰۰،۰۰۰	میل
زہرہ	″	″	″	۶۷،۲۰۰،۰۰۰	″
زمین	″	″	″	۹۲،۹۰۰،۰۰۰	″
مریخ	″	″	″	۱۴۱،۵۰۰،۰۰۰	″
مشتری	″	″	″	۴۸۳،۳۰۰،۰۰۰	″
زحل	″	″	″	۸۸۶،۱۰۰،۰۰۰	″
یورنیس	″	″	″	۱،۷۸۲،۸۰۰،۰۰۰	″
نیپچون	″	″	″	۲،۷۹۳،۵۰۰،۰۰۰	″

اب تک نظام شمسی کا انھین سیارون پر دارومدار تھا، لیکن علماے ہیئت پچیس ۲۵ سال سے ایک ایسے سیارے کی تحقیقات کر رہے تھے، جس کا بعد ان کے نزدیک تمام مشہور سیارون سے زیادہ تھا،

بالخصوص امریکہ کے پروفیسر ریسیفال لائیل کو اس کی تحقیقات مین زیادہ انہماک تھا، اور اس سیارے کے انکشاف کا سہرا در اصل پروفیسر موصوف ہی کے سر ہے، کیونکہ نیپچون کی تحقیق کے بعد جب دوسرے ہیئت دانون نے دوسرے سیارون کی تحقیقات شروع کی تو ان کو نیپچون کے مدار (فلک) مین کچھ آثار نظر آئے، لیکن وہ لوگ ان آثار کے اسباب دریافت نہ کر سکے، لیکن پروفیسر لائیل کے نزدیک وہ آثار کسی اور سیارے کے قرار پائے، جو سورج کے تقریباً چار ہزار ملین میل دور تھا، اس بنا پر ان کی توجہ اس سیارے کی تحقیقات کی طرف مبذول ہوئی، اور اب پچیس ۲۵ سال کے بعد وہ اپنی کوششون مین کامیاب ہو گئے ہین، چنانچہ ان کی رصدگاہ کے ایک نوجوان کارکن کلائیڈ ٹمبارڈ نے اپنی طویل و مسلسل شب بیداری کے بعد گذشتہ ۱۸ رفروری کو اس کا سراغ لگا لیا، اور تمام شکوک و شبہات کے ازالہ کے بعد ۱۴ رمارچ ۱۹۳۰ء کو اس کا عام اعلان بھی کر دیا گیا،

اس جدید سیارے کا قطر تقریباً ۴ ہزار میل ہے، اس کے متعلق علماے ہیئت کا خیال ہے کہ وہ کوئلہ کی طرح سیاہ اور لوہے کے مانند ٹھوس ہے، اور سورج سے اس کی مسافت کا بُعد چار ہزار ملین سے کسی طرح کم نہین ہے، اور اس لحاظ سے وہ اپنے قریب کے سیارے نیپچون سے ۱۲ سو ملین سے کم کی دوری پر نہین ہے، نیز اس کی روشنی نہایت مدھم ہے، کہ اگر نیپچون اسکی جگہ ہوتا تو اس کی روشنی اس سے ۶۰ گنا زیادہ ہوتی، نیز اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ دریافت ہوئی ہے کہ اس مین قوتِ جاذبہ بہ نسبت کرۂ زمین کے دو چند ہے، اگر ایک شخص زمین پر ۶ فٹ جست کر سکتا ہے، تو وہ اس کرہ مین صرف ۳ فٹ کے قریب جست لگا سکے گا، اسی لئے اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مثلاً زمین پر جس چیز کا وزن ۵ پونڈ ہوگا تو وہان ۳۲۵ پونڈ کے قریب ہوگا،

مصنوعی زلزلون سے معادن کا انکشاف

ماہرین طبقات الارض زمین کے نیچے کے نامعلوم معادن کے انکشاف کے لئے مختلف طریقے، استعمال

کرتے تھے، مگر اب ایک ایسا جدید طریقہ معلوم ہوا ہے، جس سے معادن کے دریافت کرنے مین بہت زیادہ آسانیان پیدا ہو جائین گی، وہ زمین پر مصنوعی زلزلون کے جھٹکے ڈالتے ہین، اور اپنے آلات کے ذریعہ انھین جھٹکون کی رفتار کے اُتار چڑھاؤ سے مختلف معادن کا پتہ چلاتے ہین، اور انھین سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کس قسم کے معادن ہین، اور ان کی کھدائی مین آسانیان پیدا ہو سکتی ہین، کہ نہین، یہ مصنوعی زلزلے ڈائنامنٹ کے ذریعہ سے پیدا کئے جاتے ہین، جن کے جھٹکون سے زیرِ زمین معادن کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے،

انجمن ترقی علوم برطانیہ کی صد سالہ جوبلی،

آیندہ ماہ ستمبر مین انجمن ترقی علوم برطانیہ انگلستان کی بنا و تاسیس پر سو سال گذر جائین گے، چنانچہ اسی تقریب سے ستمبر کے آخری ہفتہ مین لندن مین اسکی صد سالہ جوبلی منعقد ہو گی، جوبلی کے اجلاس کی صدارت کے لئے موزون ترین شخصیت پرنس آف ویلز کی تھی، لیکن وہ اس کے ۱۹۲۶ء کے اجلاس کی صدارت کر چکے ہین، اس لئے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی، جس کے انتخاب سے ایک طرف اس اجلاس مین حکومت برطانیہ کی نمایندگی و سرکردگی کا اظہار ہو تو دوسری حیثیت سے صاحبِ صدر کا علمی پایۂ امتیاز بھی اس صد سالہ جوبلی کے شایانِ شان ہو، چنانچہ اسی بنا پر مغربی افریقہ کے مشہور ماہرِ سیاست گورنر جنرل اسمتھ کا انتخاب ہوا ہے، کہ وہ سیاسیات مین مرد میدان ہونے کے ساتھ علومِ فلسفہ مین بھی خاص درک رکھتے ہین، جنرل اسمتھ کی ساری زندگی اگرچہ سیاسیات مین بسر ہوئی، مگر سیاسیات کے ساتھ ساتھ ان کا فلسفیانہ ذوق بھی ہمیشہ قایم رہا، سنہ ۱۹۲۶ء مین ان کی ایک فلسفیانہ تصنیف شائع ہوئی تھی، جس مین انھون نے اپنے، فلسفہ نشویہ، یعنی عالمِ کون مین نشو و نما کے فلسفیانہ اسباب و علل کو پیش کیا تھا، اور ان کی اسی تصنیف سے ان کے علم طبقات الارض مین ان کی وسعتِ نظر کا بھی پتہ چلتا ہے، ان کو اپنی مشہور فلسفیانہ رایون کے ساتھ علم نباتات مین بھی امتیاز حاصل ہے، انھون نے سنہ ۱۹۲۵ء مین انجمن ترقی علوم جنوبی افریقہ کی صدارت کرتے ہوئے، "جنوبی افریقہ اور علوم و فنون" کے موضوع پر ایک وسیع خطبہ دیا تھا، اس لئے اہلِ علم کو ماہر سیاسیات جنرل اسمتھ کے اس آیندہ خطبہ سے بھی بہت کچھ توقعات وابستہ ہین، جو وہ اس انجمن کی صد سالہ جوبلی کے موقع پر پیش کرین گے،

سب سے زیادہ قاتل زہر

دنیا مین لطلبینوس (   ) سے زیادہ زہر قاتل کوئی نہین، کہ پانی ملا کر جائے کے ایک چمچے بھر اس کی مقدار ساری دنیا کو ہلاک کر سکتی ہے، لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر فیلبوٹ پروفیسر واشنگٹن یونیورسٹی امریکہ کا خیال ہے کہ سانپ کا زہر اس سے بھی زیادہ قاتل ہے، البتہ لطلبینوس اور سانپ کے زہر مین فرق یہ ہے کہ لطلبینوس کا ایک ذرہ اگرچہ ہزارون انسان کی تباہی کیلئے کافی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ جسم مین اس قدر فوری اثر نہین کرتا جتنا کہ سانپ کا زہر جسم کے ایک ایک ذرہ (خلیہ) مین سرایت کر جاتا ہے، اس کی ایک نمایان خصوصیت یہ ہے کہ وہ مساوی اور فوری طور پر رگ رگ مین دوڑ کر جسم کے ذرہ ذرہ مین پہونچ جاتا ہے، جس کی نظیر دنیا کے کسی سم قاتل مین نہین ہے،

مصنوعی کتے

امریکہ مین ملازمون کی جگہ میکانیکی طریقون سے جو مصنوعی انسان بنائے گئے تھے، وہ اب ہاٹلون اور ہوٹلون مین اپنی خدمات انجام دے رہے ہین، اسی طرح اب انگلستان مین انھین طریقون سے مصنوعی کتے تیار کئے گئے ہین، جو لاسلکی کی برقی رو کے ذریعہ کمرون مین آسانی سے چلتے پھرتے ہین، انکی آنکھون مین کتون کی آنکھون کی جیسی چمک ہے اور فطری طریقے کے مانند ادھر اُدھر گھومتی رہتی ہین، اور یہ کتے دریافت کرنے پر اپنا نام بھی بتاتے ہین، اور بجلی کا بٹن دبانے کے بعد خاص خاص کام انجام دیتے ہین،

"ر"

ادبیات

کیا کہیے!

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خان

اجڑے ہوے اس دل کے کاشانہ کو کیا کہیے ‏ جب بستی ہو ویرانہ، ویرانہ کو کیا کہیے

جل جانے کو الفت مین تھی آتشِ دل کافی ‏ خود شمع یہ روشن ہے پروانہ کو کیا کہیے

ان مست نگاہون سے سرمست ہے اک عالم ‏ ساقی کی خطا کیا ہے، میخانہ کو کیا کہیے

سنکر مرے نالون کو وہ چل دیے یہ کہکر ‏ دیوانہ ہے دیوانہ دیوانہ کو کیا کہیے

گستاخ وہ کہتے ہین گران کے قدم چومون ‏ سر چڑھ کے جو اترائے اس شانہ کو کیا کہیے

شادی ہے کہین ماتم ہردم ہے نیا عالم ‏ دنیا ہے خود افسانہ افسانہ کو کیا کہیے

کاش اتنا سمجھتے وہ ارباب غرض ہین یہ ‏ ہر وقت رقیبون کے بھڑکانے کو کیا کہیے

میرا ہی تو دل مجھ سے اب چلنے لگا چالین ‏ اپنون کی روش یہ ہے بیگانہ کو کیا کہیے

ہے آمد و رفت ان کی ہمراہ عدو طاھر
اس آنے کو کیا کہیے اس جانے کو کیا کہیے

کہان نہین؟

از جناب علی اختر صاحب اختر، حیدرآباد دکن

مجھکو تلاشِ حسن ہی، حسن مگر کہان نہین ‏ ذوقِ نگاہ چاہیئے چشمِ نظر کہان نہین

کس کو ملا ہے اے ندیم حوصلۂ نبردِ عشق ‏ خونِ جگر ہے داغدار، دیدۂ تر کہان نہین

نالۂ نیم شب نہین، سرخیٔ نامۂ امید ‏ لذتِ درد چاہیے، رنگِ اثر کہان نہین

حسن کی زینتون کو ہی پارۂ دل کی جستجو ‏ زلفِ نگار کے لیے، ورنہ گہر کہان نہین

خوابِ گران اگر نہو ذرہ ہے رنگِ آفتاب ‏ سینۂ شب مین لرزشِ موجِ سحر کہان نہین

عشقِ جنون شعار کو طعنۂ فارسی نہ دے! ‏ بیخبری ترانۂ سازِ خبر کہان نہین

گرچہ حدیثِ درد ہے منتِ لب سے بے نیاز ‏ شمعِ حریم بیکسی، داغِ جگر کہان نہین

اخترِ نامراد یہ ماتمِ زیست تا کجا،
اہلِ کمالِ ہند مین خاک بسر کہان نہین

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

نسیم الکلام من شریعۃ خیر الانام

ہندوستان مین عربی زبان کی کساد بازاری سے عربی کتابون کی اشاعت ہی شاذ و نادر ہوتی ہے، عربی تصنیف و تالیف کا کیا ذکر؟ شاید سالہا سال کے بعد ہمارے دوست مولانا محمد شریف صاحب مصطفیٰ آبادی صدر المدرسین مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد کے دستِ ہمت نے اس کا موقع بہم پہونچایا، کہ ایک نئی عربی کتاب تالیف پاکر منصۂ شہود پر آئی ہے، اس سے زیادہ ندرت یہ ہے کہ مناظرہ و رسالہ بازی کے سلسلہ مین نہین، جس سے اب بھی کبھی کبھی عربی زبان بدقسمتی سے شرفیاب ہوتی ہے، بلکہ علم کلام مین اور پھر صرف قدیم ہی نہین، بلکہ جدید خیالات، حالات اور علوم کو پیش نظر رکھکر یہ کتاب تالیف پائی ہے،

ہمارے عربی مدرسون مین عقائد جیسے ضروری علم مین جو ہماری تعلیم کا تمامتر حاصل ہے، صرف شرح عقائد نسفی پڑھائی جاتی ہے، جس کی نسبت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ وہ نہ نقلی حیثیت سے قابلِ اعتبار اور نہ عقلی حیثیت سے تشفی بخش ہے، جو خوش قسمت اس سے آگے بڑھا وہ شرح مواقف تک پہونچا، جس کو عقائد کے بجائے اسلامی فلسفہ کی کتاب کہنا چاہئے، اور اس سے بھی جو آگے بڑھا دوانی اور طوسی، اور خیالی اور سیالکوٹی تک پہونچا، جن کی تصنیفات کو کتبِ عقائد کے بجائے ذہنی طلسم و نیرنجات کی کتابین کہنا چاہئے،

زمانہ اب پرانی بساط الٹ چکا، نئے نئے شاطر مقابلہ پر آچکے ہین، ایسی حالت مین مذہبی شاطرون اور حریفون کو بھی اپنا داؤ پیچ بدلنا چاہئے، اور ان نئے کھیلون کی چالون سے پوری طرح

آگاہ ہونا چاہئے،

اردو مین نئے علم کلام پر جو چند کتابین لکھی گئی ہین، وہ صرف اردو ہونے کی وجہ سے ہمارے عربی مدرسون کی نگاہون مین عزت نہین پا سکتین، ضرورت تھی کہ عربی زبان مین علم عقائد کی کوئی ایسی کتاب لکھی جاتی جو علم عقاید کی پرانی مانوس بحثون کے ساتھ نئے ناآشنا مباحث کو بھی مشتمل ہوتی، اور پرانی بحثون کو بھی جدید طرز و انداز مین اس طرح لکھا جاتا کہ ذرا ان مین جدت آجاتی،

ہمارے دوست مولانا محمد شریف صاحب نے انھین اصولون کو پیش نظر رکھ کر عربی زبان مین علم کلام پر یہ نئی کتاب لکھی ہے، اس مین اول ایک مقدمہ ہے، جسمین علم کلام کی تعریف اور غایت انسانی ادراک کا عجز، فطرت انسانی، دین کا فطرت ہونا، شرائع الٰہی کا مقصد، شریعت و فلسفہ کی تطبیق کی کوشش، آراء و مذاہب کے اختلاف کے اسباب، غور و فکر و قیاس مین غلطی کا سبب، مختلف فرقون اور ان کے عقائد کا بیان ہے، ان فرقون مین یہود و نصاریٰ کے ساتھ دہریہ اور آریہ کا بھی ذکر ہے،

اس کے بعد اصل کتاب تین بابون پر منقسم ہے، پہلا باب طبعیات، دوسرا نفسیات، اور تیسرا الٰہیات پر ہے، طبعیات مین ان اسلامی مسائل کا ذکر ہے، جن پر طبعیات کے رو سے اعتراض و جواب ہے، نفسیات مین نفس و روح کے مباحث کے علاوہ نبوت و رسالت، عذاب و ثواب، لذت و الم، عالم رویا، اور اخلاق کا تذکرہ ہے، الٰہیات کے حصہ مین امور عامہ کے بعد اللہ تعالیٰ، اس کے صفات اور افعال پر بحث ہے، اسی ضمن مین معجزات، معراج، اور فرائض اسلامی کی مصلحتون اور حکمتون کا بیان ہے، اور مخالفین کے اقوال کا رد ہے،

کتاب کی زبان اور طرزِ ادا خاص طور سے قابلِ تحسین ہے، اور گو بحیثیت جدید علم کلام کے اس کتاب مین ہم مزید وسعت اور تحقیق کے طالب تھے، تاہم بحیثیت مجموعی ہم اس کتاب کو اپنے عربی مدرسون کی عقائد کی پرانی کتابون کے بجائے بہرحال مفید سمجھتے ہین، کتاب مطبع انوار احمدی الہ آباد سے ملے گی، قیمت معلوم نہین، ضخامت ۲۳۰ صفحے، "س"

مطبوعاتِ جدیدہ

ہمارے رسول، از خواجہ محمد عبد الحئی صاحب فاروقی حجم ۸۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۶ر پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

جناب خواجہ محمد عبد الحئی صاحب نے محض نو عمر بچون کے لئے سیرۃ نبوی کے چیدہ چیدہ حالات انتہائی سلیس اور آسان زبان مین مرتب کرکے "ہمارے رسول" کے نام سے شایع کیا تھا، یہ رسالہ بہت مقبول ہوا، اور اب اس کا دوسرا اڈیشن شایع ہوا ہے، جس کی قیمت پہلے سے کم کردی گئی ہے، رسالہ کی ابتدا مین خانہ کعبہ کی تصویر دی گئی ہے، رسالہ نو عمر بچون کے پڑھانے کے لایق ہے،

چار یار، از جناب احمد الیاس صاحب مجیبی، حجم ۱۶۴ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۱۲ر پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

جناب احمد الیاس صاحب مجیبی بچون کے لئے "سرکار کا دربار" لکھ کر خراجِ تحسین وصول کر چکے تھے کہ اب اسی رنگ مین اپنا دوسرا رسالہ "چار یار" کے نام سے پیش کیا ہے جس مین خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ رضوان اللہ علیہم کے سوانح حیات نہایت صاف، سادہ، اور سلیس زبان اور دلنشین پیرایہ بیان مین مختصر طور پر لکھے ہین، سیرت نبوی پر تو مختلف اہل قلم نے بچون کے لئے مفید اور کار آمد رسالے لکھے تھے، لیکن غالباً یہ "چار یار" اپنے موضوع پر سب سے پہلا رسالہ ہے، اور جس کے متعلق مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی یہ سند ہے کہ:-

"مین خود بھی لکھنا چاہتا تو ایسی سلیس اور شگفتہ عبارت بچون کے لئے ہرگز نہ لکھ سکتا، مجھے تو آپ کی اس توفیقِ خیر پر رشک آتا ہے"

افادات سلیم، مرتبہ جناب محمد سردار علی صاحب اڈیٹر تجلی، حجم ۲۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ پتہ:- جناب غلام محمد صاحب معتمد کتب خانہ مسجد چوک، حیدر آباد،

مولانا وحید الدین صاحب سلیم مرحوم کی ساری زندگی ادب اردو کی خدمت مین بسر ہوئی، اور انھون نے اردو زبان مین بہ کثرت مضامین اور بعض اہم کتابین لکھین، اب ان کی وفات کے بعد محمد سردار علی صاحب اڈیٹر تجلی نے ان کے مضامین کا ایک مجموعہ "افادات سلیم" کے نام سے ان کی یادگار مین شایع کیا ہے، مرتب نے ان کے تمام مضامین مختلف مباحث کے اعتبار سے مختلف حصون مین تقسیم کردیئے ہین جنمین یہ پہلا حصہ خالص ادبی مضامین کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ مین کل دس مضامین ہین، جن کے عنوان یہ ہین، "ہندوستان کی عام زبان" "اصلاح زبان اردو" "ہمارے شاعرون کی نفسیات"، "دکن مین ایک رباعی گو شاعر" "سودا کی ہجویہ نظمین" "عہد میر کی زبان"، "میر کی شاعری" اور "اردو زبان کی تلمیحات" مولانا سلیم مرحوم کے قلم کا ایک ایک حرف اردو ادب کے لئے قابل قدر ہے، توقع ہے کہ یہ حصہ ہاتھون ہاتھ لیا جائے گا، کہ دیگر حصص کی اشاعت مین مرتب کی حوصلہ افزائی ہو، مرتب نے مجموعہ کی ابتدا مین "سلیم مرحوم کے حالاتِ زندگی [illegible] لکھے ہین، لیکن زیر نظر نسخہ مین وہ صفحات موجود نہین ہین،

فلسفۂ تصوف، از مولانا حکیم عبد القوی صاحب لکھنوی حجم ۶۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۸ر پتہ:- الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

حکیم عبد القوی صاحب لکھنوی ایک پاکیزہ اخلاق صوفی منش بزرگ ہین، زیر تبصرہ رسالہ خطبہ کے طور پر مسلم اکاڈمی لکھنؤ مین پڑھا گیا تھا، جو بعد مین الناظر مین شایع ہوا، اور اب رسالہ کی شکل مین سامنے ہے، اس مین حکیم صاحب موصوف نے شاعرانہ و فلسفیانہ انداز بیان مین فلسفۂ تصوف کو پیش کرنا چاہا ہے، سارا رسالہ ذوقی وجذباتی کیفیات سے لبریز ہے، اور اہل ذوق کے مطالعہ کے لایق ہے،

حیاتِ ہمایون، از "اخترِ چرخِ برتری، رشکِ زہرہ و مشتری، جناب آغا مرزا محمد جعفر صاحب جعفری" حجم ۴۴ صفحے، بتقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت ۴ر پتہ شیخ محمد جان الٰہی بخش تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

ہمایون نامہ گلبدن بیگم پنجاب یونیورسٹی کے منشی فاضل کے نصاب مین داخل ہے، جناب مرزا محمد جعفر صاحب جعفری نے طلبہ کی آسانی کے لئے اس کا خلاصہ اردو مین کیا ہے، جو "حیاتِ ہمایون" کے نام سے شایع ہوا ہے، رسالہ کی زبان صاف سلیس، اور اندازِ بیان عمدہ ہے، لیکن اگر "لاکن" کی جگہ "لیکن" لکھا جاتا تو بہتر تھا،

خلاف الامۃ فی العبادات، مترجمہ مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ پشاور، حجم ۳۶ صفحے، معارف سائز، کاغذ اور لکھائی چھپائی متوسط، قیمت ۵ر، پتہ:- الہلال بک ایجنسی نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

یہ علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ خلاف الامۃ فی العبادات کا صاف سلیس اور روان ترجمہ ہے، جس مین بتایا گیا ہے کہ سنیون کے مختلف فرقون کی عبادات نماز اور حج وغیرہ مین جو اختلافات ہین، وہ فروعی ہین، ان کو اصل عبادت کے جائز و باطل ہونے مین کوئی دخل نہین، بلکہ سب مسائل مستحبات و مکروہات سے متعلق ہین، اور مثال مین حج کا قران و تمتع سے ادا کرنا، بسملہ کا جہر و خفی سے پڑھنا، قنوت فجر، قنوت مغرب و عشاء، قنوت بعد از رکوع اور عیدین کی تکبیرین وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے، یہ رسالہ دورِ حاضر مین بھی جماعت اہلِ حدیث و احناف دونون کے لئے مفید ہے، کہ فرقون مین آج کل رسالہ بازی اور مخالفانہ و موافقانہ تحریرین زیادہ تر انھین مسائل پر ہوتی رہتی ہین،

"ش"

جلد بست و ششم ۲۶	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۰ء	عدد ۲

مضامین